کتابتِ حدیث

عہدِ رسالت ﷺ و عہدِ صحابہؓ میں

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی

ادارۃ المعارف کراچی

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

❁❁❁

عرضِ ناشر

اِس سے قبل ''اِدارۃ المعارف کراچی'' مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہٗ کی تصانیف میں سے ''علم الصیغہ اُردو''، ''فقہ میں اِجماعِ اُمت کا مقام''، ''اَحکامِ زکوٰۃ'' اور ''علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیحؑ'' شائع کرچکا ہے، جو قبولِ خاص و عام حاصل کرچکی ہے۔

اور اب مولانا محترم مدظلہٗ کی تازہ تصنیف ''کتابتِ حدیث عہدِ رسالتؐ و عہدِ صحابہؓ میں'' پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے۔

اِس کتاب میں جاہلیتِ عرب میں کتابت کی ابتداء، مکہ و مدینہ کے اہلِ قلم حضرات، عہدِ رسالتؐ میں کتابت، کتابت کے بارے میں اسلام کی رَوِش اور اس کے اجتماعی زندگی پر اثرات، عہدِ رسالتؐ میں کتابتِ حدیث، احادیث کے تحریری مجموعے، تبلیغی خطوط، انتظامِ مملکت کے مختلف شعبوں کے لئے قوانین و ہدایات کی تحریری نقول، اور اس ضمن میں اُسلوب و اندازِ تحریر پر مفصل و مدلل مباحث پیش کئے گئے ہیں۔

عہدِ صحابہؓ و تابعینؒ میں کتابتِ حدیث، احادیث لکھنے والے صحابہ کرامؓ، تابعینِ عظامؒ، دُوسری صدی ہجری میں تدوینِ حدیث اور احادیث کے مجموعے، وغیرہ اُمور پر نہایت بسط و شرح کے ساتھ بحثیں موجود ہیں۔

کتاب کی ابتداء میں حدیث اور اس کی حفاظت کے عنوان سے حجیتِ حدیث، منکرینِ حدیث اور مستشرقین کے اعتراضات کی حقیقت اور ان کے جواب اور حفاظتِ حدیث کے طریقوں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ غرض حفاظتِ حدیث کے ''طریقۂ کتابت'' اور اس سے متعلق اُمور کی وضاحت کے موضوع پر اُردو زبان میں یہ منفرد تحقیقی کتاب ہے۔

''ادارۃ المعارف کراچی'' اس کتاب کو عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ پیش کر رہا ہے، اُمید ہے اس موضوع پر بہت سے ذہنوں کا خلجان دُور کرنے کا باعث ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں اسے شرفِ قبولیت عطا فرمائے، آمین!

طالبِ دُعا

محمد مشتاق سنی

خادم ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

پیشِ لفظ

زیرِ نظر کتاب مستشرقین اور منکرینِ حدیث کے اُٹھائے ہوئے ایک اعتراض کا مثبت جواب ہے، اعتراض یہ تھا کہ ''چونکہ عرب کے لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثیں لکھنے سے منع بھی فرمادیا تھا، اس لئے آپؐ کی وفات کے بعد تقریباً دو سو برس تک حدیثیں قیدِ تحریر میں نہیں لائی گئیں، کہیں تیسری صدی میں جا کر ان کو قلم بند کیا گیا، لہٰذا یہ حدیثیں محفوظ اور قابلِ اعتماد نہ رہیں، اب انہیں شریعت میں حجت قرار نہیں دیا جاسکتا۔''

اِس کتاب میں مناظرانہ جوابدہی کے بجائے مثبت انداز میں کتابتِ حدیث کے تاریخی حقائق جمع کئے گئے ہیں، ابتدائی اوراق میں قرآنی آیات سے حدیث کا تعارف اور دین میں اُس کے مقام کو واضح کیا گیا ہے، اور حدیث کی حفاظت عہدِ رسالتؐ سے اب تک جن طاقت ور ذرائع سے ہوئی، اور اُمت نے اس کے لئے جو بے نظیر کاوشیں کیں اس کی مختصر سرگزشت اُصولی انداز میں بیان کی گئی ہے۔

اِس کے بعد پہلے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ عربی خط کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی؟ اور اسلام سے پہلے عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج کتنا تھا؟ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر و کتابت کے رواج کو جس اہمیت اور تیزی سے بڑھایا اور اس کی ترویج و اشاعت کے لئے جو مؤثر اقدامات فرمائے، ان کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

اِس کے بعد خاصی تفصیل سے یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی احادیث لکھنے کے لئے صحابہ کرامؓ کو کس کس طرح ترغیب فرماتے رہے، اور آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت بلکہ حکم سے کتنے بڑے پیمانے پر حدیثوں کو عہدِ رسالتؐ میں لکھ کر محفوظ کیا گیا، اور احادیث کا کتنا عظیم الشان ذخیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود املاء فرما کر قلم بند کرایا، اِس سلسلے میں عہدِ رسالتؐ کی متعدد تالیفات کا تعارف بھی تفصیل سے کرایا گیا ہے۔

پھر اس حدیثِ نبوی کا منظر و پسِ منظر بیان کیا گیا ہے، جس میں حدیثیں لکھنے کی ممانعت آئی ہے، اور اُس کا جو مطلب ذخیرۂ احادیث کی روشنی میں راجح معلوم ہوتا ہے، اسے واضح کیا گیا ہے، اس کے بعد کتابتِ حدیث کی ان عظیم الشان خدمات کا جائزہ خاصی تفصیل سے لیا گیا ہے جو عہدِ صحابہؓ میں انجام دی گئیں، اور اِس سلسلے میں چوبیس صحابہ کرامؓ کی تالیفات اور تحریری کارناموں کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

بعد ازاں تابعینؒ کی تالیفات اور تدوینِ حدیث کے مختلف مراحل مختصراً بیان کئے گئے ہیں۔

آخر میں دُوسری صدی میں تالیف ہونے والی کتبِ حدیث کا تعارف کرایا گیا ہے۔

یہ سب تفصیلات غیر مبہم حوالوں کے ساتھ تحقیق سے قلم بند کی گئی ہیں، اور حوالے صرف اُن کتابوں کے دیئے گئے ہیں جن سے ناچیز نے براہِ راست استفادہ کیا ہے۔

اِس پوری تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ حفاظتِ حدیث کا مدار صرف کتابت پر کبھی نہیں رہا، لیکن اس کے باوجود ہجرتِ مدینہ سے لے کر آج تک حدیثوں پر کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں یہ بہت وسیع پیمانے پر انتہائی احتیاط اور اہتمام سے قلم بند نہ کی جاتی رہی ہوں۔

اِس کتاب کا جو حصہ عہدِ جاہلیت اور عہدِ رسالتؐ میں تحریر و کتابت سے متعلق ہے، احقر نے وہ اب سے تقریباً چودہ برس قبل ماہنامہ ''البلاغ'' (کراچی) کے لئے لکھا تھا جو محرم ۱۳۷۸ھ سے شعبان تک چھ قسطوں میں شائع ہوا تھا، علمی حلقوں میں بحمداللہ اُسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا، اب طویل عرصے بعد نظرِ ثانی کی

مہلت ملی تو بہت سے نئے مضامین کا اضافہ ہوکر مستقل کتاب کی سی صورت پیدا ہوگئی، جو کتابتِ حدیث کی دوسو سالہ تاریخ کا خلاصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو شرفِ قبول سے نوازے اور اُن حضرات کے لئے ذریعۂ تسکین بنائے جو تحفظِ حدیث کے متعلق شکوک وشبہات کا شکار ہوگئے ہیں۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
دارالعلوم کراچی ۱۴

یکم شوال ۱۴۰۰ھ

❁❁❁

حدیث
اور اس کی حفاظت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

حدیث اور اس کی حفاظت

قرآنِ کریم ایک حکیمانہ جامع دستورِ ہدایت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کی ضرورت کے تمام دینی اَحکام اُصولی اور اِجمالی طور پر بیان فرمادیئے ہیں، اسلام نے انسانی زندگی کے جس جس پہلو اور جن جن شعبوں کو اپنے دائرۂ بحث میں لیا ہے، قرآنِ کریم نے ان میں سے ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی جس کی اصل رُوح اور بنیادی تعلیمات کو اپنے مخصوص معجزانہ اُسلوب میں بیان نہ کردیا ہو۔

قرآن فہمی کے لئے معلّم کی ضرورت

قرآن میں بعض مسائل کی ضروری جزئیات بھی بیان کی گئی ہیں، لیکن بیشتر مسائل میں قرآن نے کلیات یا ان کی بھی اصل رُوح بیان کی ہے۔

قرآن کا اپنا الگ اُسلوب ہے، جس کی نظیر پورے کلامِ عرب میں نہ پہلے کبھی تھی، نہ آئندہ وجود میں آسکے گی، اور بہت سے معانی کے لئے اس کی اپنی اصطلاحات ہیں جن کی تشریح لغت کی کتابوں میں تلاش نہیں کی جاسکتی۔

اِسی لئے قرآن فہمی کے لئے صرف لغت کا سہارا کافی نہ تھا، بلکہ ایک معلّم کی ضرورت تھی جو قرآنی کلیات کے تحت آنے والے جزئیات، اپنے اقوال و افعال سے واضح کرے، اُس کے مجملات کی تفصیل اور اصطلاحات کی تشریح کرے، اُس کے معجزانہ حقائق و معارف سے رُوشناس کرائے، اور بعد میں آنے والوں کے لئے ایسے اُصول بھی بیان کرجائے جن سے کام لے کر وہ قرآنِ کریم کی روشنی میں نت نئے مسائل کا حکم معلوم کرسکیں۔

معلّمِ قرآن کون ہے؟

قرآن جیسی اللہ کی آخری کتاب، جو قیامت تک کے انسانوں کے لئے معیارِ حق بنائی گئی، جس کی کسوٹی پر ہر انسان کے اچھے بُرے اعمال کو پرکھا جانا تھا، جسے ماننے اور اس پر عمل کرنے والوں کو جنت کی بشارت اور مخالفین کو جہنم کے دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی، جس کی بنیاد پر بے شمار انسانوں کی خوش بختی اور بدبختی کا فیصلہ ہونا تھا، ایسی فیصلہ کن کتاب کا معلّمِ اوّل وہی ہوسکتا تھا جسے خود اللہ تعالیٰ نے معلّمِ کتاب ہونے کی سند عطا کی ہو، جس کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ اللہ تعالیٰ کی مراد کا آئینہ دار، اور اُس سے صادر ہونے والا ہر عمل اللہ کی مرضی کے عین مطابق ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا معلّمِ اوّل اپنے آخری رسول محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا، جن کے معلّمِ کتاب ہونے کی یہ سند خود قرآنِ کریم کا جزو بنادی گئی کہ:-

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ. (البقرۃ:۱۵۱)

ترجمہ:- جیسا کہ تم لوگوں میں ہم نے ایک (عظیم الشان) رسول کو بھیجا (جو کہ) تم ہی میں سے (ہیں، وہ) ہماری آیات پڑھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں، اور (خیالات و رسومِ جہالت سے) تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں، اور تم کو کتابِ (الٰہی) اور فہم کی باتیں سکھاتے رہتے ہیں، اور تم کو ایسی باتیں تعلیم کرتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی۔

اور قرآن ہی نے یہ گواہی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ وحیٔ الٰہی کے عین مطابق ہے:-

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى. (النجم:۳،۴)

ترجمہ:- اور نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں، اِن کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

آپؐ کی تعلیمات کا اِتباع بھی قرآن نے لازم کیا

قرآن ہی نے دُنیا بھر کے انسانوں کو یہ بتایا کہ اقوال کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و افعال بھی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں:-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب:۲۱)

ترجمہ:-تم لوگوں کے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا عمدہ نمونہ موجود تھا۔

ایسا نمونہ جس کی پیروی کے بغیر اللہ سے محبت کا دعویٰ صحیح نہیں ہوسکتا اور جس کی پیروی کرنے ہی پر اللہ کی رضا موقوف ہے:-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.

(آل عمران:۳۱)

ترجمہ:- آپؐ (لوگوں سے) فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم میرا اِتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

اور واضح طور پر حکم دیا کہ اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ. (النساء:۵۹)

ترجمہ:- اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا، اور حکم مانو رسول کا، اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں۔

قرآن نے واشگاف الفاظ میں بتایا کہ اللہ کی اطاعت کا راستہ بھی یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے:-

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ. (النساء:۸۰)

ترجمہ:- جس شخص نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اِطاعت کی، اُس نے خدا تعالیٰ کی اِطاعت کی۔

غرض قرآنِ حکیم کی تعلیم و تفسیر کا فریضہ ایسی مستند، جامعِ کمالات اور معصوم ہستی کو سونپا گیا جس کا اللہ تعالیٰ سے ہر دم رابطہ قائم تھا، جس کی ہر تعلیم وحی پر مبنی تھی، اور اس کا ہر عمل بندوں کے لئے اللہ کا پسندیدہ نمونہ تھا۔

قرآن کا اِجمالی اُسلوب اور آپؐ کی تفسیر و تشریح

قرآنِ حکیم نے اپنے پیغام میں جو اُصولی اور اِجمالی اُسلوب اختیار کیا اور تفصیلات کا بیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا، اُس کا کچھ اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ نماز جیسی بنیادی عبادت جو ایمان کے بعد سب سے اہم فریضہ ہے، اس میں رُکوع اور سجدے کا تو حکم دیا، قیام اور قعود کا بھی ذِکر فرمایا، لیکن پورے قرآن میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ ان افعال میں (جو اَرکانِ صلوٰۃ کہلاتے ہیں) باہمی ترتیب کیا ہوگی؟ مختلف اوقات کی نمازوں میں رکعتوں کی تعداد کیا ہوگی؟ نماز کی کس حالت میں کیا پڑھا جائے گا؟ یہ سب تفصیلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال و افعال سے بیان فرمائیں، اور صحابہ کرامؓ کو ان کی عملی تربیت دی۔

اِسی طرح زکوٰۃ جو اسلام کا ایک اہم رُکن ہے، اس کے مصارف تو قرآنِ حکیم میں متعین فرمادیئے گئے اور اِجمالاً یہ بھی بتادیا گیا کہ مال کا ایک خاص حصہ زکوٰۃ میں دیا جانا چاہئے:-

وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوٰلِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ. لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ.

(المعارج:۲۴-۲۵)

ترجمہ:- اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے مانگنے والے اور نہ مانگنے والے کا۔

لیکن وہ خاص حصہ کتنا ہے؟ یعنی زکوٰۃ کس شرح سے، کتنے فی صد ادا کی

جائے گی؟ کتنے مال میں واجب ہوگی؟ اور کب واجب ہوگی؟ یہ پورے قرآن میں کہیں مذکور نہیں، اِن سب تفصیلات کا بیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے زکوٰۃ کے پورے نظام کی تشریح اپنے اقوال و افعال سے فرمائی اور سرکاری سطح پر اسے عملاً نافذ فرمایا۔

یہی حال دیگر بہت سے شرعی اَحکام کا ہے کہ اُن کے بنیادی اُصول وکلیات اور اصل رُوح تو قرآنِ حکیم میں بیان فرمادی گئی، لیکن تفصیلات - بلکہ ایسی تفصیلات بھی جن پر ان اَحکام کی ادائیگی موقوف تھی- قرآن میں بیان فرمانے کی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مأمور فرمایا گیا کہ آپ اِن کی تشریح فرمائیں، چنانچہ ایسے تمام اَحکام کے لئے قرآنِ کریم میں یہ جامع اُصول ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:-

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ. (النحل:۴۴)

ترجمہ:- اور ہم نے آپ پر یہ قرآن اُتارا ہے تا کہ (اس میں) جو ہدایات لوگوں کے پاس بھیجی گئی ہیں وہ ہدایات آپ ان کو واضح کر کے سمجھادیں اور تا کہ وہ ان میں غور وفکر کیا کریں۔

غرض قرآنی اَحکام و ہدایات کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال و افعال کے ذریعے پورے ۲۳ سال فرمائی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اقوال وافعال ہیں جن کو ''حدیث'' کہا جاتا ہے۔

حدیث کے بغیر قرآن پر عمل ممکن نہیں

قرآنِ حکیم کے اس اُسلوب اور مذکورہ بالا صراحتوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دینِ اسلام میں احادیثِ نبویہ کی کیسی بنیادی اہمیت ہے کہ ان کے بغیر نہ قرآن شریف کا فہم حاصل کیا جاسکتا ہے، نہ اس کے اَحکام پر عمل ممکن ہے، حدیث میں کی جانے والی تشریح کے بغیر نماز اور زکوٰۃ تک ادا نہیں کی جاسکتی۔ وہ قرآن جو صرف نظریات اور عقائد ہی نہیں لایا، بلکہ پوری نوعِ انسان کے لئے نہایت معتدل اور

متوازن نظامِ عمل لے کر آیا ہے، احادیث کو چھوڑ دیا جائے تو اس کا پورا نظامِ عمل دَرہم برہم اور اس کا پیش کیا ہوا دِین معطل ہو کر رہ جائے۔

حدیث کی یہی وہ بنیادی اہمیت اور قرآن وسنت کا یہی وہ ربطِ باہم ہے جس کی بناء پر صحابہ کرامؓ، تابعینِ عظامؒ اور بعد کے محدثینؒ نے ذخیرۂ حدیث کو اپنی جانوں سے زیادہ حفاظت کر کے بعد کی نسلوں تک پہنچایا، انہی کی ناقابلِ فراموش کاوشوں کا یہ نتیجہ ہے کہ جہاں جہاں قرآنِ کریم پہنچا، حدیث بھی ساتھ ساتھ پہنچی، بحمداللہ یہ خدمت آج بھی جاری ہے اور جب تک قرآن کی خدمت ہوتی رہے گی، یہ خدمت بھی جاری رہے گی۔

حدیث کے خلاف سازشیں

لیکن حدیث کی اسی دینی اہمیت کے باعث مخالفینِ اسلام نے اپنی سازشوں اور طعن وتشنیع کا نشانہ بھی سب سے زیادہ حدیث ہی کو بنایا، خلافتِ راشدہ کے اواخر میں ''سبائی فتنہ'' - جو عبداللہ بن سبا نے بڑی چالاکی سے پھیلایا تھا- وہ بھی دراصل تحفظِ حدیث ہی کے خلاف ایک خوفناک سازش تھی، جس کا مقصد قرآنی ہدایات اور پورے دِین کو مسخ کرنا تھا، اس فتنے کا مقابلہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے مخلص رفقاء نے کیا، اور بعد کے محدثین نے بالآخر اس فتنے کو دفن کر کے چھوڑا۔[۱]

مستشرقین اور منکرینِ حدیث

ہمارے زمانے میں بھی یورپی مستشرقین نے اسلام کے خلاف علمی محاذ پر جو کاروائیاں کیں، ان میں حدیث ہی کو سب سے زیادہ تختۂ مشق بنایا گیا، کیونکہ شاید یہ حقیقت وہ بھی جان چکے ہیں کہ دینِ اسلام کو مسخ اور قرآنِ کریم کو عملاً معطل کرنے کا گُر - اگر کوئی ہوسکتا ہے تو - یہی ہے کہ حدیث کا رابطہ قرآن سے منقطع کر دیا جائے، انہی کی کوششوں سے کئی اسلامی ممالک میں ایک چھوٹا سا مگر فعال فرقہ ''منکرینِ

---

(۱) تفصیلات کے لئے دیکھئے: ''تدوینِ حدیث'' (مولانا مناظر احسن گیلانیؒ)۔

حدیث'' کا پیدا ہوا، جس کو بنیادی طور پر فکری مواد مستشرقین ہی سے ملا ہے، اِن لوگوں نے بڑی ہشیاری سے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ قرآن سے تو اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں تاکہ ناواقف عوام انہیں مسلمان ہی سمجھتے رہیں، مگر حدیث کو شرعی حجت ماننے سے انکار کرتے ہیں اور جان توڑ کوشش اس بات کی کر رہے ہیں کہ جس طرح بن پڑے حدیث پر سے لوگوں کا اعتماد ختم کردیا جائے، تاکہ نہ نماز کی وہ ہیئت باقی رہے جس کی تربیت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور جس پر پوری اُمت چودہ سو سال سے عمل کرتی آئی ہے، نہ زکوٰۃ کا وہ متوازن نظام باقی رہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحیٔ الٰہی کے مطابق عملاً قائم فرمایا تھا، غرض تمام قرآنی اَحکام جو آرام طلب نفس کو شاق یا مغربی تہذیب سے مرعوب ذہن کو گراں معلوم ہوتے ہیں وہ سب اپنی مرضی یا سیاسی اغراض کے مطابق ڈھالے جاسکیں، ظاہر ہے کہ حدیث کے ہوتے ہوئے یہ مقاصد پورے نہیں ہوسکتے۔

اِس لئے منکرینِ حدیث کبھی کہتے ہیں کہ حدیثیں نہ صحابہؓ کے لئے شرعی حجت تھیں، نہ بعد کے لوگوں کے لئے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ صحابہؓ کے لئے تو حجت تھیں، ہمارے لئے نہیں۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ حقیقت میں تو ہمارے لئے بھی حجت ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک یہ حدیثیں اتنے کثیر واسطوں سے پہنچی ہیں کہ قابلِ اعتماد نہیں رہیں۔

اپنی تائید کے لئے وہ کبھی احادیثِ نبویہ پر یہ مضحکہ خیز بہتان لگاتے ہیں کہ یہ حدیثیں قرآن کے خلاف ہیں، کبھی بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، جیسے محدثین پر تہمت لگاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں حدیث کے نام سے جھوٹی سچی باتیں جمع کرکے پوری اُمت کو دھوکا دیا ہے۔

یورپ کے مستشرقین ہوں یا ایشیا کے منکرینِ حدیث، ان کے تمام دعووں کا تار پود علمائے اُمت اور محدثینِ کرام بحمداللہ پوری طرح بکھیر چکے ہیں، اِن کا لگایا ہوا کوئی الزام ایسا نہیں رہا جو ٹھوس اور ناقابلِ انکار دلائل کے سامنے پوری طرح رُسوا نہ ہوچکا ہو۔ حجیتِ حدیث کے موضوع پر عربی، اُردو اور دُوسری زبانوں میں بہت سی

تصنیفیں آچکی ہیں جو اِن بے سروپا الزامات کا منہ بولتا جواب ہیں۔

حدیثیں نہ لکھنے کا اِعتراض

حدیث کو مشکوک اور ناقابلِ اعتبار ثابت کرنے ہی کی ایک ناکام کوشش وہ ہے جس کا بیڑا مشہور مستشرقین سرولیم مور اور گولڈزیہر وغیرہ نے اُٹھایا، انہوں نے دعویٰ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھنے کا کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے نوّے برس بعد شروع ہوا۔[1] پاکستان و ہند کے منکرینِ حدیث نے ایک قدم اور بڑھا کر یہاں تک کہہ دیا کہ حدیثیں دوسو برس بعد تیسری صدی ہجری میں قلم بند کی گئی ہیں۔ اُس وقت عالمِ اسلام میں جو غلط سلط باتیں ''حدیث'' کے نام سے پھیلی ہوئی تھیں، اُنہی کو محدثین نے اپنی کتابوں میں جمع کردیا ہے، اِس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں محفوظ نہیں رہیں، لہٰذا ان کو شریعت میں حجت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

جہاں تک حدیثیں لکھنے کا معاملہ ہے اس کی تفصیلات آپ اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے جو اسی اعتراض کے جواب میں تالیف کی گئی ہے، اس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوجائے گی کہ عہدِ رسالتؐ (ہجرتِ مدینہ) سے لے کر آج تک حدیثوں پر کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں یہ بہت بڑے پیمانے پر نہایت اہتمام و احتیاط سے قلم بند نہ کی جاتی رہی ہوں۔ ساڑھے دس ہزار سے زیادہ حدیثیں تو صرف دو صحابیوں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابوہریرہؓ ہی نے قلم بند کی تھیں، دیگر بہت سے صحابہ کرامؓ کی کتابی خدمات ان کے علاوہ ہیں۔ پھر اس میدان میں تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے تحریری کارنامے جس تسلسل کے ساتھ جاری رہے، یہاں تک کہ تیسری صدی میں احادیث کی ترتیب و تدوین کا کام اپنے عروج پر جا پہنچا۔ یہ سب تفصیلات اِسی کتاب میں مستند حوالوں کے ساتھ آپ کے سامنے آجائیں گی، جن کے بعد اس اعتراض کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی کہ حدیثیں نوّے یا

---

(۱) خطباتِ مدراس۔

دو سو برس تک نہیں لکھی گئیں۔

حفاظتِ حدیث کی ذمہ داری بھی اللہ نے لی ہے

رہا یہ اعتراض کہ ''حدیثیں محفوظ نہیں رہیں''، تو شاید ان معترضین نے اس پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا کہ قرآنِ کریم کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ. (الحجر:۹)

ترجمہ:- ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اور کون نہیں جانتا کہ قرآن صرف ایسے الفاظ کا نام نہیں جو کوئی معنیٰ نہ رکھتے ہوں، تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ قرآن نہ محض الفاظِ قرآنی کا نام ہے، نہ صرف معانئ قرآن کا، بلکہ دونوں کے مجموعے کو قرآن کہا جاتا ہے، لہٰذا حفاظتِ قرآن کی جو ذمہ داری اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لی ہے، اس میں جس طرح الفاظِ قرآنی کی حفاظت کا وعدہ اور ذمہ داری ہے، اسی طرح معانی اور مضامینِ قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ ہی نے لی ہے، قرآن کے نہ الفاظ میں کوئی تحریف چل سکتی ہے، نہ معنیٰ میں، جیسا کہ قرآنِ کریم ہی میں ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ:-

وَاِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیۡزٌ. لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِہٖ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ. (حٰمٓ السجدہ: ۴۱،۴۲)

ترجمہ:- اور یہ (قرآن) نادر کتاب ہے، جس میں غیرواقعی بات نہ اس کے آگے سے آسکتی ہے (کہ اس کے الفاظ میں ردّ و بدل کردیا جائے) اور نہ اس کے پیچھے سے (کہ اس کے معانی میں تحریف کردی جائے)، یہ نازل کردہ ہے حکمتوں اور تعریفوں والے پروردگار کی طرف سے۔[۱]

اور ظاہر ہے کہ معانئ قرآن وہی ہیں جن کی تعلیم دینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا تھا، جیسا کہ پیچھے کی آیات سے واضح ہوچکا ہے۔ آپ صلی

(۱) تفسیر معارف القرآن ج:۷ ص:۶۶۲ بحوالہ تفسیرِ طبری و بحرِ محیط۔

اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو جن اقوال و افعال کے ذریعے تعلیم دی، انھی اقوال و افعال کا نام ''حدیث'' ہے، لہٰذا حدیثِ رسولؐ جو درحقیقت تفسیرِ قرآن اور معانیٔ قرآن ہیں، اُن کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے، پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قرآن کے صرف الفاظ محفوظ رہ جائیں، معانی یعنی احادیثِ رسولؐ ضائع ہوجائیں؟ جو شخص مطلقاً احادیثِ رسولؐ کو غیر محفوظ کہتا ہے، اُسے سوچنا چاہیے کہ وہ درحقیقت قرآن کو غیر محفوظ کہہ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق جہاں الفاظِ قرآن یاد رکھنے والے حفاظ ہر زمانے میں پیدا فرمائے، وہاں حدیثوں کو بھی ازبر یاد کرنے والے محدثین پیدا فرمادیئے۔

احادیث کے حفظ و روایت کی تاکید

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثیں یاد کرکے دُوسروں تک پہنچانے کی تاکیدِ بلیغ فرمائی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ[1]:-

حَدِّثُوا عَنِّیْ. میری حدیثیں دُوسروں کو پہنچاؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد تھا کہ[2]:-

لِیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ. جو حاضر ہے وہ غائب تک پہنچادے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثیں یاد کرکے بعینہٖ دُوسروں تک پہنچانے والوں کو یہ دُعا دی تھی کہ[3]:-

نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهٗ كَمَا سَمِعَهٗ۔

ترجمہ:- اللہ اس شخص کو شاداب رکھے، جس نے ہم سے کچھ سن کر لوگوں تک اسی طرح پہنچادیا جس طرح سنا تھا۔

---

(۱) صحیح مسلم ج:۲ ص:۴۱۴۔

(۲) صحیح مسلم کتاب القسامۃ باب تغلیظ تحریم الدماء....الخ۔ ج:۲ ص:۶۰۔

(۳) مشکوٰۃ کتاب العلم ج:۱ ص:۳۵ بحوالہ ترمذی وابن ماجہ ودارمی۔

اِس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجموعی طور پر پوری اُمت کے ذمہ یہ فریضہ عائد کردیا تھا کہ اس کی ہر نسل بعد کی نسل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پہنچاتی رہے۔

حدیثیں گیارہ ہزار صحابہؓ نے روایت کیں

اسی تاکید و ترغیب کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ اور بعد کے محدثین نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا۔ صحابہ کرامؓ کی تعداد حیاتِ نبویؐ کے اخیر سال حجۃ الوداع میں ایک لاکھ کے قریب تھی، اور تقریباً گیارہ ہزار صحابہ کرامؓ ایسے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو حفظ یاد کرکے دُوسروں تک پہنچانے کا فرضِ کفایہ انجام[1] دیا، یعنی حدیثیں روایت کیں، ان میں وہ حضرات بھی ہیں جنہوں نے صرف ایک، یا دو چار ہی حدیثیں روایت کیں، اور وہ بھی جو ایک ایک ہزار سے زیادہ حدیثوں کے راوی ہیں۔ مثلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے جو حدیثیں اُمت کو پہنچیں ان کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس اس سے بھی زیادہ حدیثیں محفوظ تھیں، اس مبارک خدمت میں صحابیاتؓ نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، صرف اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) حدیثیں یاد کرکے اُمت کو پہنچائیں۔ ان گیارہ ہزار صحابہ کرامؓ کے حالاتِ زندگی ''اسماءُ الرجال'' کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ نئے مفتوحہ ممالک میں بھی پہنچے، اور بہت سوں نے وہیں سکونت اختیار فرمالی، اس طرح وہ پورے عالمِ اسلام میں پھیل گئے، وہ جہاں بھی رہے اُن کے روز و شب کا مشغلہ یہی رہا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ارشادات سنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو افعال دیکھے تھے، وہ اپنی اولاد، عزیزوں، دوستوں اور ملنے والوں کو بتاتے اور سکھاتے رہے، متعدّد

---

(۱) خطباتِ مدراس ص:۵۰۔

صحابہ کرامؓ کے مختلف مقامات پر حلقۂ درس قائم تھے، جہاں وہ لوگوں کو درسِ حدیث دیتے تھے۔[1]

حفظِ حدیث میں تابعینؒ کی کاوشیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تقریباً سو برس بعد تک صحابہ کرامؓ کا دور جاری رہا، اس طویل عرصے میں ایک نئی نسل جن کو ''تابعینؒ'' کہا جاتا ہے اور جو صحابہ کرامؓ کی براہِ راست شاگرد ہے، پروان چڑھ کر جوان ہوچکی تھی، بلکہ بہت سے تو کہولت اور بڑھاپے کی منزل میں داخل ہوچکے تھے، ان میں سے ہزاروں تابعینؒ نے حفظِ حدیث اور روایتِ حدیث ہی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردی تھیں کہ تعلیماتِ نبویؐ سے واقفیت ہی کا نام اُن کے یہاں ''علم'' تھا، جسے دینی اور دُنیاوی دونوں عزتوں کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، صرف مدینہ منوّرہ میں تین سو پچپن (۳۵۵) تابعین خدمتِ حدیث میں مشغول تھے، مکہ معظّمہ، طائف، بصرہ، کوفہ، دمشق، یمن، مصر وغیرہ میں جو ہزاروں تابعین وہاں کے صحابہ کرامؓ سے حدیثیں حاصل کرنے، لکھنے، یاد کرنے اوران کی تبلیغ و اشاعت میں شب و روز لگے ہوئے تھے، وہ اِن کے علاوہ ہیں۔ اِن حضرات نے سالہا سال کی انتھک محنت اور سفروں کی صبرآزما صعوبتیں جھیل کر صحابہ کرامؓ سے حدیثیں حاصل کیں، اُن کا لفظ لفظ یاد کیا اور سند کے ساتھ اپنے شاگردوں (تبع تابعین) تک پہنچایا۔ ایسے واقعات بھی کم نہیں کہ صرف ایک حدیث کسی صحابی سے براہِ راست سننے کے لئے ایک ایک ماہ کے پُرمشقت سفر کئے گئے۔

کثیر بن قیس کا بیان ہے[2] کہ میں دمشق (شام) کی مسجد میں ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) کے پاس بیٹھا تھا کہ اُن کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ:-

> میں مدینہ منوّرہ سے آپ کے پاس صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سننے کے لئے آیا ہوں جس کے متعلق مجھے

---

(۱) اِن سب خدمات کی کچھ تفصیلات اور جستہ جستہ مثالیں آگے کتابتِ حدیث کے ضمن میں مستند حوالوں کے ساتھ آئیں گی۔

(۲) مشکوٰۃ، کتاب العلم ص:۳۴ (بحوالہ مسندِ احمد وترمذی وابوداؤد وابنِ ماجہ و دارمی)۔

خبر ملی ہے کہ وہ آپ روایت کرتے ہیں، میں کسی اور کام سے یہاں نہیں آیا۔

صحابہ کرامؓ نے حفظِ حدیث میں جس طرح کھپ کر یہ امانت تابعین کو پہنچائی اور تابعین نے جس احتیاط اور جانفشانی کے ساتھ اسے تبع تابعین کے سپرد کیا اور پھر ہر نسل یہ مقدس امانت جس اہتمام کے ساتھ بعد کی نسل کو سونپتی رہی، اس کی داستان ایسی مسلسل اور اتنی حیرت انگیز ہے کہ دُنیا کی پوری تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی، یہ ایمان افروز داستانیں آپ کو فنِ حدیث اور اسماءُ الرجال کی کتابوں میں ملیں گی۔

روایتِ حدیث میں کڑی احتیاط

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنی حدیثوں کی تبلیغ و اشاعت کی تاکید فرمائی، ساتھ ہی شدت کے ساتھ یہ تنبیہ بھی فرمادی تھی کہ[1]:-

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ:- جو کوئی میرے متعلق قصداً کوئی غلط یا جھوٹ بات بیان کرے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

اور آگاہ فرمادیا تھا کہ[2]:-

مَنْ حَدَّثَ عَنِّيْ بِحَدِيْثٍ يُرٰى اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ.

ترجمہ:- جس شخص نے میرے متعلق ایسی بات نقل کی جس میں جھوٹ کا گمان ہو تو وہ بھی جھوٹ بولنے والے دو میں سے ایک ہے۔

مزید تاکید یہ فرمائی تھی کہ[3]:-

---

(۱) مقدمہ صحیح مسلم ج:۱ ص:۷۔
(۲) مقدمہ صحیح مسلم ج:۱ ص:۶۔
(۳) مقدمہ صحیح مسلم ج:۱ ص:۷۔

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ.

ترجمہ:- آدمی کو جھوٹا ہونے کے لئے یہ (بے احتیاطی) بہت ہے کہ وہ جو بات بھی سنے اُسے (تحقیق کئے بغیر) آگے نقل کردے۔

اِن اعلانات کا اثر یہ تھا کہ بڑے بڑے صحابہؓ روایت کرتے وقت اِس خوف سے کانپنے لگتے تھے کہ حدیث بیان کرنے میں غلطی نہ ہوجائے۔ اِن کو یا بعد کے محدثین کو کسی لفظ میں ذرا بھی تردّد ہوجاتا تو اسے ظاہر فرمادیتے تھے کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب کوئی اور لفظ فرمایا تھا، حدیث کی کتابوں میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔

سند کی پابندی

روایتِ حدیث میں کڑی احتیاط ہی کی خاطر محدثینِ کرامؒ نے سند کی پابندی اپنے اُوپر لگائی، جو اسی اُمت کی خصوصیت ہے۔ سند کا سب سے پہلا اُصول یہ ہے کہ جو شخص بھی کوئی حدیث بیان کرے، پہلے وہ یہ بتائے کہ اُس کو یہ حدیث کس نے سنائی ہے؟ اور اس سنانے والے نے کس سے سنی ہے؟ اِسی طرح جتنے راویوں کا واسطہ اس حدیث کی روایت میں آیا ہے، اُن سب کے نام بترتیب بیان کرکے اس صحابی کا نام بتائے جس نے یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سن کر روایت کی ہے، چنانچہ آج حدیثِ نبویؐ کے جو عظیم الشان مجموعے مشہور و معروف کتبِ حدیث کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ اور پوری دُنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، اُن میں ہر ہر حدیث کے ساتھ اُس کی سند بھی محفوظ چلی آرہی ہے، جس کی بدولت آج ہر ہر حدیث کے بارے میں نام بہ نام یہ بتایا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک یہ حدیث کن کن اشخاص کے واسطے سے پہنچی ہے۔

کسی حدیث کی سند میں اگر درمیان کے کسی راوی کا **نام** چھوڑ دیا جائے تو محدثین ایسی سند کو "مُنْقَطِع" کہہ کر ناقابلِ اعتماد قرار دے دیتے ہیں، اور اگر نام تو سب راویوں کے بیان کردیئے جائیں، مگر ان میں کوئی راوی ایسا آجائے جو ثقہ اور

متقی پرہیزگار نہ ہو یا اُس کا حافظہ کمزور ہو، یا وہ ایسا غیر معروف شخص ہو جس کے تقویٰ اور حافظے کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو، تو ایسی تمام صورتوں میں محدثین، اس سند پر اعتماد نہیں کرتے، اور جب تک وہ حدیث کسی اور قابلِ اعتماد سند سے ثابت نہ ہوجائے اُسے قابلِ استدلال نہیں سمجھتے۔

فنِ اسماء الرجال

یہ کیسے معلوم ہو کہ جو سند بیان کی گئی ہے، اُس میں درمیان کا کوئی راوی نہیں چھوٹا، سب نام اس میں آگئے ہیں؟ اور وہ سب کے سب ثقہ، قابلِ اعتماد اور قوی حافظے والے تھے یا نہیں؟ یہ معلوم کرنے کے لئے ''فنِ اسماء الرجال'' ایجاد کیا گیا، جس میں ہر ہر راوی کے تمام ضروری حالاتِ زندگی قلم بند کردیئے گئے، آج اس فن کی کتابوں سے ہر معتبر حدیث کے ہر راوی کے متعلق الگ الگ یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ کب اور کہاں پیدا ہوا؟ کب اور کہاں وفات پائی؟ اس نے کن کن محدثین سے علمِ حدیث حاصل کیا؟ حدیث کے ساتھ اس کا شغف کیسا تھا؟ مشاغل کیا تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ حافظہ قوی تھا یا کمزور؟ ثقہ تھا یا غیر ثقہ؟ عالم تھا یا جاہل؟ ناقدین کی رائے اُس کے بارے میں کیا تھی؟ اس کے شاگرد کون کون لوگ تھے؟

ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت دُشوار تھا، مگر ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کردیں، قریہ قریہ، شہر شہر پھرے، راویوں سے ملے اور اُن کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کرکے انہیں قلم بند کرتے رہے، انہی تحقیقات کے نتیجے میں ''اسماء الرجال'' کا وہ عظیم الشان فن وجود میں آیا جس کے متعلق مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر جیسے متعصب یوروپین[(۱)] کو بھی یہ لکھنا پڑا کہ:-

---

(۱) موصوف ۱۸۵۴ء کے بعد تک متحدہ ہندوستان کے علمی و تعلیمی شعبے سے متعلق رہے اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے سیکریٹری تھے، صحابہ کرامؓ کے حالات میں حافظ ابنِ حجرؒ کی مشہور عربی کتاب ''الاصابۃ'' طبع ہوئی تو موصوف نے اس کے انگریزی مقدمے میں وہ بات لکھی تھی جس کا اقتباس یہاں نقل کیا جارہا ہے، یہ مقدمہ کلکتہ سے ۱۸۵۳ء، ۱۸۶۴ء میں طبع ہوا تھا۔ (خطباتِ مدراس ص:۵۰)

> کوئی قوم دُنیا میں ایسی نہیں گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح ''اسماء الرجال'' کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہوسکتا ہو۔

فنِ جرح وتعدیل

پھر کسی راوی کے متعلق یہ رائے کس بنیاد پر قائم کی جائے کہ وہ ''ثقہ'' اور معتبر تھا یا نہیں؟ راوی کی وہ کیا صفات ہیں جن کی بناء پر اس کی روایت کو معتبر یا غیر معتبر قرار دیا جائے گا؟ ایسا فیصلہ کرنے کے لئے کیا شرائط ہیں؟ اور خود فیصلہ کرنے والے میں کن کن صفات وکمالات کا ہونا ضروری ہے؟ کسی راوی کے متعلق اگر ناقدینِ حدیث کی رائے مختلف ہوجائے کہ ایک کے نزدیک وہ معتبر ہو، دُوسرے کے نزدیک غیر معتبر، تو فیصلہ کیسے ہو؟ یہ سب اُمور ''فنِ جرح وتعدیل'' میں نہایت باریک بینی، نکتہ رسی اور شرح وبسط کے ساتھ بیان کردیئے گئے، اور خاص اِس فن میں بھی بڑی بڑی مستقل کتابیں تالیف کی گئیں، شاید یہ بھی اسی اُمت کا طرۂ امتیاز ہے کہ اُس نے راویوں کی جانچ پڑتال کے لئے تنقید کو ایک مستقل فن کی حیثیت دے کر اُس کے اُصول وقواعد اس تفصیل اور دقتِ نظر کے ساتھ مدوّن کئے۔

محدثین نے اِس تحقیق وتنقید میں ایسی بے لاگ دیانت داری اور حق گوئی سے کام لیا کہ کسی کے جاہ ومنصب کی پروا کی، نہ مال ودولت کی، ذاتی تعلقات اور قرابت داری بھی ان کو کسی راوی کی کسی کمزوری کے اظہار سے باز نہ رکھ سکی، انہوں نے ہر راوی کو وہی درجہ دیا جو علمِ حدیث کی بارگاہ میں اس کو مل سکتا تھا، جس کے متعلق جو بات ان کے نزدیک تحقیق سے ثابت ہوگئی، اُسے بلاکم وکاست اپنی کتابوں میں لکھ گئے اور اپنے شاگردوں کو بتاگئے۔

چند واقعات

جرح وتعدیل کے مشہور امام ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ لوگوں نے اُن کے والد کے متعلق پوچھا کہ وہ روایتِ حدیث میں کس درجے کے ہیں؟ تو فرمایا

کہ: ''یہ بات میرے سوا کسی اور سے پوچھو''، مگر ان لوگوں نے اصرار کیا کہ ہم آپ ہی کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں، تو کچھ دیر سر جھکائے سوچتے رہے، پھر فرمایا:-

هُوَ الدِّيْنُ، اِنَّهٗ ضَعِيْفٌ. (۱)

ترجمہ:- یہ دین کی بات ہے (اس لئے کہتا ہوں) وہ ضعیف ہیں۔

امام وکیع رحمہ اللہ بڑے محدّث تھے، انہیں اپنے والد کی روایات پر پورا اعتماد نہ تھا، اس لئے جب وہ خود ان سے روایت سنتے تو جب تک اس روایت کی تائید کسی معتبر راوی سے نہ ہو جاتی اسے آگے بیان نہ کرتے تھے، یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہ کرتے تھے۔

حدیث کے مشہور امام معاذ بن معاذ رحمہ اللہ کو ایک شخص نے دس ہزار دینار (سونے کی اشرفیاں) صرف اس معاوضے میں پیش کرنے چاہے کہ وہ ایک راوی کو معتبر یا غیر معتبر کچھ نہ کہیں، یعنی اس کے متعلق خاموش رہیں، انہوں نے اس خطیر رقم کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ: ''میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا۔'' (۲)

غرض جن کڑی شرائط کے ساتھ کسی راوی کی بیان کی ہوئی حدیث کو ''حدیث'' سمجھا جاتا تھا، راوی میں غیر معمولی قوتِ حافظہ، حدیث کے ساتھ شغف اور بے داغ دیانت داری کی جس باریک بینی کے ساتھ تحقیق کی جاتی تھی، اس کی داستان بہت طویل ہے، یہ تفصیلات آپ کو ''اُصولِ حدیث'' اور فنِ جرح و تعدیل کی کتابوں میں ملیں گی، اِن سرسری اشاروں اور مثالوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس اُمت نے حدیثیں بیان کرنے والے لاکھوں اشخاص تک کے حالاتِ زندگی اس طرح محفوظ کردیئے ہوں اور سند تک کے چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں اتنی کاوش، احتیاط، نکتہ رسی اور چھان بین سے کام لیا ہو، اُس نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور حالات و واقعات کو بعینہٖ محفوظ رکھنے میں کون سا دقیقہ فروگزاشت کیا ہوگا؟

---

(۱) مقامِ صحابہ ص:۱۹، ۲۰ بحوالہ رسالہ سخاوی ص:۶۶۔

(۲) خطباتِ مدراس ص:۶۷ بحوالہ تہذیب التہذیب۔

یورپی مصنّفین کا اعتراف

یہی وجہ ہے کہ جان ڈیون پورٹ کو ۱۸۷۰ء میں اپنی کتاب ''اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن'' کا آغاز ان الفاظ سے کرنا پڑا کہ:-

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام قانون سازوں اور فاتحین میں ایک بھی ایسا نہیں جس کے حالاتِ زندگی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالاتِ زندگی سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں۔

اور ٹرینیٹی کالج آکسفورڈ کے فیلو ریونڈر باسورتھ اسمتھ اپنی کتاب ''محمڈ اینڈ محمڈنزم'' میں یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے کہ:-

ہم مسیح کی ماں، مسیح کی خانگی زندگی، ان کے ابتدائی احباب، ان کے ساتھ ان کے تعلقات، اُن کے رُوحانی مشن کے تدریجی طلوع یا اچانک ظہور کے متعلق ہم کیا جانتے ہیں؟ اُن کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے، لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دُھندلاپن اور راز نہیں، ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق اس قدر جانتے ہیں جتنا لیوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں، کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے، نہ دُوسروں کو، یہاں پُورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے۔[1]

حفاظتِ حدیث کے تین طریقے

احادیثِ نبویہ کی حفاظت جس جس پہلو سے کی گئی، یوں تو اس کی تفصیلات بہت ہیں، جو علمِ حدیث اور اُس کے متعلقہ فنون ہی کی کتابوں سے معلوم ہوسکتی ہیں، اِن تمہیدی اوراق میں اُن سب کو جمع کرنا پیشِ نظر نہیں اور ممکن بھی نہیں، البتہ اس

---

(۱) خطباتِ مدراس ص:۲۷۔

حفاظت کے لئے اُمت نے جو طریقے اختیار کئے وہ بنیادی طور پر تین ہیں:-

۱:- زبانی یاد کرنا۔

۲:- تعامل، یعنی زندگی کے ہر شعبے میں احادیثِ نبویہ پر عمل کا اہتمام۔

۳:- کتابت۔

یہ تینوں طریقے عہدِ رسالتؐ سے آج تک تسلسل کے ساتھ جاری ہیں، جن کا مختصر تعارف یہ ہے:-

پہلا طریقہ: زبانی یاد کرنا

عربوں کا حافظہ فطری طور پر نہایت قوی تھا، وہ سینکڑوں اشعار کے قصیدے بسا اوقات ایک ہی مرتبہ سن کر یاد کر لیتے تھے، صحابہؓ و تابعینؒ اور بعد کے محدثین کی قوتِ حافظہ کے حیرت انگیز واقعات، سِیَر، فنِ حدیث اور اسماء الرجال کی کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور مشہور تابعی قتادہ رحمہ اللہ کے حیرت ناک حافظے کی بعض مثالیں اس کتاب میں بھی آئیں گی۔ یہ حضرات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک ارشاد اور ایک ایک واقعے کو سند کے ساتھ اس طرح زبانی یاد کرتے تھے جیسے قرآن شریف حفظ کیا جاتا ہے، ایک ایک محدث کئی کئی ہزار حدیثیں یاد رکھتا تھا، پھر ایک ایک حدیث کی بسا اوقات کئی کئی سندیں ہوتی ہیں، اور ہر سند میں حدیثوں کے الفاظ قدرے مختلف بھی ہوتے ہیں، اس طرح حدیثوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے، محدثینِ کرامؒ کو ان سب تفصیلات کا لفظ لفظ یاد کرنا اور دُہرانا پڑتا تھا، اگرچہ بہت سے حضرات اپنی یادداشت کے لئے لکھ بھی لیتے تھے، مگر جب تک وہ زبانی یاد نہ رکھتے، اہلِ علم کی نگاہوں میں ان کی عزت نہ ہوتی تھی، اور وہ خود اپنی ان تحریروں کو عیب کی طرح چھپاتے تھے، تاکہ لوگ ایسا نہ سمجھیں کہ ان کو یہ حدیثیں یاد نہیں ہیں۔[2] محدثین کا خیال تھا کہ زبانی یادداشت تحریر سے زیادہ محفوظ

---

(۱) مثلاً ملاحظہ ہو: جامع بیان العلم ج:۱ ص:۶۹، اور حاشیہ نزہۃ النظر ص:۶۸۔

(۲) السنّۃ قبل التدوین ص:۲۹۶ بحوالہ کتاب الاغانی۔

صورت ہے، تحریر کو دُوسروں کے تصرف سے محفوظ نہیں رکھا جاسکتا، ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ کوئی اس میں کمی بیشی نہ کردے، مگر جو نقوش لوحِ قلب پر کندہ ہوجاتے ہیں، اُن میں رَدّ و بدل ممکن نہیں، چنانچہ محدثین ایک دُوسرے کے حافظے کا امتحان مختلف طریقوں سے لیتے رہتے تھے، جس کے حافظے میں کمزوری نظر آتی، اُس کی روایتوں پر اعتماد نہ کرتے تھے۔ امام ابنِ شہاب زُہری، امام عقیلی اور امام بخاری رحمہم اللہ کے حافظے کا جس جس طرح امتحان لیا گیا اُس کے واقعات معروف ہیں[۱]۔ حد یہ ہے کہ مسعودیؒ جو ایک محدث ہیں، ۱۵۴ھ میں امام معاذ بن معاذؒ نے ان کو دیکھا کہ اُن کو حدیثیں روایت کرنے کے لئے اپنی تحریری یادداشت دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انہوں نے فوراً اُن کے حافظے سے اپنی بے اعتمادی کا اظہار کردیا۔[۲]

دُوسرا طریقہ: تعامل

حدیثوں کو صرف زبانی یا تحریری طور پر محفوظ کرلینا ہی کافی نہ سمجھا جاتا تھا، بلکہ پورے اسلامی معاشرے میں حدیثوں پر عمل ہوتا تھا، قرآنِ کریم کی تفسیر میں انہی سے مدد لی جاتی تھی، ہر صحابی اِن احادیث اور تعلیماتِ نبویہ کا جیتا جاگتا نمونہ تھا۔ صحابہ کرامؓ بسا اوقات اپنے شاگردوں کو دکھا کر کوئی کام مثلاً وضوء وغیرہ کرتے اور پھر فرماتے کہ: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''[۳] تابعینؒ اِنہی مقدس نمونوں کو دیکھ دیکھ کر اپنی سیرتیں تعمیر کر رہے تھے۔ عقائد وعبادات، نکاح وطلاق، تجارت ومعیشت، محنت ومزدوری، اخلاق و معاشرت، سیاسی معاملات، دُوسری قوموں سے تعلقات و معاہدات اور صلح و جنگ وغیرہ سب انہی احادیث کی روشنی میں طے پاتے تھے، صحابہ کرامؓ اور بعد کے محدثینؒ نے احادیث کی تعلیمات کو طوطے کی طرح نہیں رٹا تھا، بلکہ ان کی عملی تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) مثلاً دیکھئے جامع بیان العلم ج:۱ وحاشیہ نزہۃ النظر ص:۲۸۔

(۲) خطباتِ مدراس ص:۶۶، بحوالہ تہذیب التہذیب ج:۶ ص:۲۱۱۔

(۳) مثلاً دیکھئے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ میں تفصیل سے آیا ہے۔ ج:۱ ص:۱۲۰۔

سے صحابہؓ نے، صحابہؓ سے تابعینؒ نے، اور تابعینؒ سے تبع تابعینؒ نے حاصل کرکے ان پر اپنے پورے نظامِ زندگی کی تعمیر کی تھی، اور زندگی کے ہر شعبے میں ان تعلیمات کو رچایا بسایا تھا، فقہِ اسلامی کی تدوین مستقل فن کی حیثیت سے تو بعد میں ہوئی، اِس سے پہلے اسلامی حکومتوں کے قوانین اور نظامِ سلطنت کا مدار براہِ راست قرآن وسنت تھے، انہی کی روشنی میں ہر قسم کے چھوٹے بڑے مقدمات کے فیصلے ہوتے تھے، صرف رٹے ہوئے جملوں اور لکھی ہوئی یادداشتوں کو بھول جانے کا احتمال ہوسکتا ہے، لیکن احادیثِ نبویہ پر تو عظیم اسلامی حکومتیں اور مسلمانوں کا معاشرہ صدیوں تک چلتا رہا ہے، پھر ان کے بارے میں یہ کیسے تصوّر کیا جاسکتا ہے کہ وہ دو سو سال تک طاقِ نسیان پر رکھی رہیں؟

تیسرا طریقہ: کتابت

زیرِ نظر کتاب دراصل اسی تیسرے طریقے کی تفصیل ہے، جس سے یہ حقیقت واشگاف ہوکر سامنے آئے گی کہ تحفظِ حدیث کے لئے کتابت کو اسلام کی پہلی دو صدیوں میں بھی بہت وسیع پیمانے پر حیرت ناک تسلسل اور بڑے اہتمام کے ساتھ استعمال کیا جاتا رہا، اور احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم بند کرادیا تھا، لیکن اتنی بات بلاشبہ دُرست ہے کہ یہ طریقہ پچھلے دو طریقوں کے مقابلے میں کم استعمال ہوا، جس کے بنیادی اسباب یہ ہیں:-

۱:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زمانے میں قرآن کے علاوہ کچھ اور لکھنے سے منع فرمادیا تھا،(۱) اس ممانعت کی حقیقت کیا تھی؟ اس کی تفصیل تو آگے اپنے مقام پر آئے گی، یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ یہ ممانعت اگرچہ کتابتِ حدیث کی ہر صورت کے لئے عام نہ تھی، اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ممانعت کو منسوخ بھی فرمادیا تھا، مگر بہت سے صحابہؓ جنہیں شاید منسوخی کا علم نہ ہوا تھا، حدیثیں قلم بند کرنے سے اخیر دَم تک احتیاط برتتے رہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب التثبت فی الحدیث ج:۲ ص:۴۱۴ وترمذی ج:۲ ص:۱۰۶۔

۲:- بہت سے صحابہؓ و تابعینؒ کو ڈر تھا کہ احادیث کے قلم بند ہوجانے کے بعد لوگ انہیں حفظ کرنے اور زبانی یاد کرنے کی محنت سے جی چرائیں گے اور کتابت پر بھروسہ کرکے بیٹھ جائیں گے۔ [1]

۳:- اِن حضرات کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ حدیثوں کے تحریری مجموعے ہاتھ میں لے کر جاہل اور نااہل لوگ بھی عالم بننے کا دعویٰ کر بیٹھیں گے، اور روایتِ حدیث میں جس تیقُّظ اور احتیاط کی ضرورت ہے، اسے نظر انداز کرکے عوام کی گمراہی کا سبب بنیں گے۔

۴:- اللہ تعالیٰ نے عربوں کو غیر معمولی حافظے اور زبانی یادداشت کا جو مَلکہ عطا فرمایا تھا اُسے وہ کتابت کے مقابلے میں زیادہ استعمال کرنے کے عادی تھے، بلکہ کسی بات کو لکھ کر محفوظ کرنے کو وہ حافظے کی کمزوری خیال کرتے تھے، اور کوئی چیز قلم بند بھی کرلیتے تو اُسے عیب کی طرح چھپائے رکھتے تھے۔ [2]

اِن اسباب کی بناء پر حفاظتِ حدیث کے کام میں تحریر و کتابت کا استعمال نسبۃً کم ضرور ہوا، لیکن یہ "کم" بھی کتنا زیادہ تھا؟ آگے ہم نے اِسی کی تفصیلات کو سمیٹنے کی حقیر سی کوشش کی ہے!

❁❁❁

---

(۱) جامع بیان العلم ص:۶۷، ۶۸۔

(۲) السنۃ قبل التدوین ص:۲۹۶ بحوالہ کتاب الاغانی۔

تحریر و کتابت
اور
اہلِ عرب

جو لوگ کہتے ہیں کہ اسلام کی پہلی دو صدیوں میں حدیثیں قیدِ تحریر میں نہیں لائی گئیں، وہ اس کی ایک وجہ یہ بیان کیا کرتے ہیں کہ عرب کے لوگ تحریر و کتابت سے نا آشنا تھے، اَن پڑھ (اُمّیّ) ہونے کے باعث اُن کے یہاں لکھنے کا رواج سرے سے تھا ہی نہیں، اِس لئے آنے والے صفحات میں ہم پہلے یہ جائزہ لینے کی کوشش کریں گے کہ عربی کتابت کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی؟ اسلام سے پہلے عرب میں تحریر و کتابت کا رواج کس حد تک تھا؟ اسلام کی روِش اس کے بارے میں کیا رہی؟ اور عہدِ رسالتؐ میں اِس فن کو کیسے ترقی نصیب ہوئی؟ اور اس سے کس کس قسم کے کام لئے گئے؟ اِس کے بعد کتابتِ حدیث کے اس عظیم کارنامے کا جائزہ لیا جائے گا جو عہدِ رسالتؐ اور عہدِ صحابہؓ میں بہت وسیع پیمانے پر انجام دیا گیا۔

عربی خط کی ابتداء

اِس سلسلے میں ادب و تاریخ کی کتابوں میں مختلف روایات ملتی ہیں، ان میں سے ایک تو وہ ہے جسے ابنِ عبدربہ[1] نے ابنِ عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے کہ:-

> آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے اِدریس علیہ السلام نے کتابت کی، اور عربی کتابت کے موجد اسماعیل علیہ السلام تھے۔[2]

---

(۱) دیکھئے: العقد الفرید ج:۳ ص:۳ کتاب التوقیعات۔

(۲) کتاب الیواقیت العصریہ (ملخص اخبار الانبیاء علیہم السلام ص:۱۹۰)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(باقی اگلے صفحے پر)

ایک بڑی دِلچسپ روایت بھی ساتھ ہی ملتی ہے کہ[1]:-

عمرو بن شیبہ کا کہنا ہے کہ ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، چند عربوں کے نام ہیں جو قبیلۂ طسم و جدیس سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے عربی خط ایجاد کیا۔

لیکن بلاذری نے "فتوح البلدان" میں ایک روایت سند سے ذکر کی[2] ہے کہ:-

قبیلۂ طی[3] کے تین آدمی مرامر بن مرہ، اسلم بن سدرہ، عامر بن جدرہ، بقہ میں جمع ہوئے اور عربی رسم الخط ایجاد کیا، جو سریانی حرفِ تہجی کے طرز پر تھا، ان سے یہ فن انبار کے بعض لوگوں نے سیکھا اور اہلِ انبار سے اہلِ حیرہ[4] نے حاصل کیا، اہلِ حیرہ سے بشر نے، جو دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر کا بھائی تھا، یہ عربی رسم الخط سیکھ لیا۔

بشر کسی کام سے مکہ مکرمہ آیا، یہاں سفیان بن اُمیہ اور ابوقیس نے یہ فن سیکھا، اس کے بعد یہ تینوں طائف گئے، جہاں ان سے غیلان بن سلمہ ثقفی نے رسمِ خط سیکھا، بشر ان لوگوں سے جدا ہوکر

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)............ میں اسحاقی کی کتاب اخبار الاول کی یہ عبارت بھی ملتی ہے: "اِدْرِیْس عَلَیْهِ السَّلَامُ نَبِیٌّ مُرْسَلٌ وَهُوَ اَوَّلُ مَنْ خَطَّ بِالْقَلَمِ وَاَوَّلُ مَنْ خَاطَ الثِّیَابَ" یعنی ادریس علیہ السلام نبی مرسل ہیں، اور وہی سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا اور کپڑے سیئے۔

(۱) صبح الاعشیٰ ج:۳ ص:۱۳ بحوالہ "جوہری" والعقد الفرید ج:۳ ص:۳۰، یہی روایت قدرے فرق کے ساتھ ابنِ ندیم نے بھی نقل کی ہے۔ (الفہرست ص:۱۲)۔

(۲) ص:۴۷۱، و ترجمہ اُردو ج:۲ ص:۲۵۰، یہی روایت قلقشندی اور ابنِ ندیم نے حضرت ابنِ عباسؓ کے حوالے سے مختصراً ذکر کی ہے۔ (صبح الاعشیٰ ج:۳ ص:۱۲ والفہرست لابنِ ندیم ص:۱۲)۔

(۳) عرب کا مشہور قبیلہ، حاتم طائی اسی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا، اس کا بیٹا عدیؓ اور بیٹی سفانہؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (الاصابہ، ترجمہ "عدی وسفانہ")۔

(۴) حالیہ کوفہ، عراق۔

مضر کے علاقے میں چلا گیا، وہاں اس سے عمرو بن زرارہ نے یہ
فن حاصل کیا، جو بعد میں عمرو الکاتب کے نام سے مشہور ہوا۔
اسی طرح قبیلۂ طیؔ کے مذکورہ تینوں اہلِ قلم سے قبیلۂ طابخہ کلب
کے ایک شخص نے یہ رسمِ خط سیکھا، اس نے اہلِ وادی القریٰ میں
سے ایک شخص کو سکھایا اور اس نے اہلِ وادی میں سے ایک
جماعت کو خط سکھایا۔

بلاذری کی اس روایت کی تائید ابنِ عباسؓ کے ایک اور ارشاد سے ہوتی ہے کہ:-

ابنِ عباسؓ سے پوچھا گیا کہ عربی کتابت کی ابتداء کیسے ہوئی؟ [1]
انہوں نے جواب دیا کہ: قریش نے اسے حرب بن اُمیہ سے
سیکھا، اور اس نے عبداللہ بن جدعان سے یا اکیدر حاکم دومۃ
الجندلؒ کے بھائی بشر سے سیکھا، اور ان دونوں نے حیرہ اور انبار
کے لوگوں سے سیکھا، اور حیرہ اور انبار کے لوگوں نے یمن کے
بعض لوگوں سے سیکھا تھا۔[2]

اتنی بات علامہ نووی رحمہ اللہ نے بھی فراء کے حوالے سے نقل کی ہے[3] کہ حجاز کے لوگوں نے لکھنا اہلِ حیرہ سے سیکھا تھا۔

اِس سلسلے میں ابنِ عبدالبرؒ کے حوالے سے[4] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ملتا ہے کہ:-

---

(۱) دیکھئے: الوسیط، حاشیہ ص:۳۴، و تاریخ الادب العربی (للزیات) ص ۷۸، افسوس کہ دونوں کتابوں میں اصل مأخذ کا حوالہ نہیں ہے۔

(۲) اس سلسلے میں اور بھی بہت سی روایات ہیں جو ابنِ ندیم کی کتاب الفہرست ص:۱۲ تا ۱۴ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

(۳) شرحِ مسلم ج:۲ ص:۳۳، باب الربا۔

(۴) صبح الأعشی ج:۳ ص:۱۴، بحوالہ التعریف والاعلام للسہیلی۔

اَوّلُ مَنْ کَتَبَ بِالْعَرَبِیَّۃِ اِسْمَاعِیْلُ عَلَیْہِ السَّـلَامُ.

ترجمہ:- عربی میں کتابت سے پہلے اسماعیل علیہ السلام نے کی۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ جب تک ان میں سے کوئی روایت قابلِ اعتماد سند سے ثابت نہ ہو یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ عربی زبان میں کتابت کا آغاز کب اور کس کے ذریعہ ہوا؟ تاہم اتنی بات پر تمام روایات متفق معلوم ہوتی ہیں، اور آگے آنے والی روایات سے مزید وضاحت ہوجائے گی کہ عربی کتابت کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے صدیوں پہلے ہوچکا تھا، اگرچہ بعض روایات سے ہزاروں سال پہلے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

کتابت، عہدِ جاہلیت میں

عرب کے اس دور کو جبکہ وہاں شمعِ رسالت نہیں آئی تھی، قرآن وسنت میں ''جاہلیت'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، مثلاً قرآنِ حکیم میں عورتوں سے خطاب ہے:-

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰی. (الاحزاب:۳۳)

ترجمہ:- اور تم دکھاتی نہ پھرو، جیسا دستور تھا نادانی کے پہلے دور میں۔

''جاہلیت'' کا لفظ سن کر بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اہلِ عرب لکھنے پڑھنے سے بالکل بے بہرہ تھے، حالانکہ یہ ایک اسلامی اصطلاح ہے، جس کا مطلب ناخواندگی نہیں بلکہ وہ جاہلانہ عقائد و رُسوم ہیں جو ان میں رائج تھے اور جن کو عقلِ سلیم نادانی قرار دیتی ہے۔

ورنہ پچھلے بیان سے کچھ اندازہ ہوا ہوگا اور آگے بھی معلوم ہوگا کہ اہلِ عرب بعض وحشی قبائل کی طرح لکھنے پڑھنے سے ایسے بے بہرہ نہیں تھے کہ ان کے یہاں اس کا کوئی تصوّر ہی موجود نہ ہو۔

اِس سلسلے میں مولانا مناظر احسن گیلانی صاحبؒ نے اپنی قابلِ قدر تصنیف

''تدوینِ حدیث'' میں بہت دِل لگتی بات کہی ہے کہ:-

کم از کم جو قرآن پڑھتا ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ عرب جو قرآن کا ماحول ہے، اس کے متعلق تحریری سامانوں کے اس افلاس کا کس طرح یقین کرسکتا ہے، بھلا جس کتاب کا نام ''قرآن'' (پڑھی جانے والی چیز) ہو، فاتحہ کے بعد جس کی پہلی سورت کا دُوسرا لفظ ''کتاب'' ہو اور مسلسل کتاب، زُبُر (کتابیں)، اَسفَار (کتابیں)، قَرَاطِیس (کاغذ)، لَوح (تختی) کا ذکر تقریباً ہر بڑی سورت میں بار بار آتا ہو، پہلی آیت[1] جو پیغمبرؐ پر نازل ہوئی، اس میں پڑھنے، لکھنے، قلم تک کا ذکر موجود ہے، روشنائی (مِداد)، دوات (سَفَرَة)، لکھنے والے (کاتِبین)، سِجِلّ کا ذکر جس کتاب میں پایا جاتا ہو کون خیال کرسکتا ہے کہ یہ کتاب ایسے لوگوں میں اُتری جو نوشت وخواند سے ایسے عاری تھے جیسے جنگل کے بھیل اور گونڈ ہیں۔

اگرچہ زمانۂ جاہلیت کی ادبی، مذہبی اور دیگر قسم کی تحریریں ہم تک زیادہ نہیں پہنچ سکیں، لیکن اس دور کے کھنڈروں، دفینوں، قبروں[2] اور پانی کے بند وغیرہ سے جو تحریریں دستیاب ہوئیں، وہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ لوگ لکھنے پڑھنے سے بالکل بے بہرہ نہیں تھے، یہی نہیں بلکہ بعض تحریروں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عرب کے جنوبی علاقوں میں عرصۂ دراز سے ''خط مسند حمیری'' مستعمل تھا، اور شمالی علاقوں میں ''خط انباری وحمیری'' استعمال ہوتا تھا، جو بالآخر مکہ معظّمہ اور مدینہ طیبہ میں رائج ہوکر ''خط عربی'' یا ''حجازی'' کے نام سے مشہور ہوا۔[3]

ایک اور چیز اس سلسلے کا بہت اہم ثبوت ہے، ''سبع معلقات'' جو اہلِ عرب

---

(۱) اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ .... الخ.

(۲) اس کی کچھ مثالیں ابنِ ندیم کی کتاب الفہرست میں بھی مذکور ہیں، ص:۱۲، ۱۳۔

(۳) دیکھئے: الوسیط ص:۳۷، تقریباً یہی بات تاریخ الادب العربی میں بھی ہے۔ (ص:۷۸)

کے سات مشہور و مایۂ ناز قصائد ہیں، یہ بھی عہدِ جاہلیت کی یادگار ہیں، ان کو عہدِ جاہلیت ہی میں لکھ کر کعبہ کے دروازے پر آویزاں کیا گیا تھا، ان کو "السبعُ المُعلّقات" (لٹکے ہوئے سات قصیدے) اسی لئے کہا جاتا ہے۔[1]

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ عرب نے سبع معلقات کو تقریباً ۴۵۰ء میں آویزاں کیا تھا، اس کے بعد وہ انہیں ڈیڑھ سو برس تک سجدے کرتے رہے، یہاں تک کہ قرآن نے آکر اپنی معجزانہ فصاحت و بلاغت سے انہیں بے قیمت بنادیا۔

نیز اصفہانی نے کتاب الاغانی میں نقل کیا ہے کہ[2]:-

> عدی بن زید العبادی (۳۵ ق ھ) جب بڑا ہوا تو اس کے باپ نے اُسے ایک مکتب میں داخل کردیا، یہاں تک کہ اس نے عربی ادب میں مہارت پیدا کی، پھر اس نے کسریٰ کے دربار میں رسائی حاصل کرلی، اور یہی وہ شخص ہے جس نے کسریٰ کے دربار میں سب سے پہلے عربی زبان میں لکھا۔

اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب میں ایسے مکتب موجود تھے جن میں بچوں کو کتابت سکھائی جاتی تھی۔

اور تاریخِ طبری کی روایت ہے کہ[3]:-

> ابوجُفینہ کو مدینے اسی لئے بلایا گیا تھا کہ وہ لکھنا سکھائے۔

اور یہ واقعہ تو سیرتِ طیبہ کی اکثر کتابوں میں نقل ہوتا چلا آرہا ہے اور علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم[4] میں بھی نقل کیا ہے کہ جب کفارِ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاشرتی بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا تو انہوں نے یہ فیصلہ لکھ کر محفوظ کرلیا تھا۔

---

(۱) دیکھئے: زوزنی کی شرح سبعہ معلقہ ص:۳۔

(۲) السنّۃ قبل التدوین ص:۲۹۵ بحوالہ کتاب الاغانی۔

(۳) ایضاً بحوالہ تاریخ الامم والملوک للطبری ج:۵ ص:۲۰۴۔

(۴) شرح مسلم (نووی) ج:۱ ص:۴۲۳، کتاب الحج۔

خلاصۂ بحث یہ کہ اس زمانے کی عام دُنیا میں تحریر وکتابت کا جیسا کچھ رواج تھا وہ عرب میں بھی موجود تھا، یہ اور بات ہے کہ اس دور کے متمدّن ممالک مثلاً ایران و رُوم وغیرہ سے وہ اس میدان میں بہت پیچھے تھے اور عرب کی بھاری اکثریت لکھنے پڑھنے کی عادی نہ تھی۔

اسی اکثریت کے لحاظ سے قرآن نے اس قوم کو ''اُمّیّین'' کہا ہے:-

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ. (الجمعة:۲)

ترجمہ:- وہی ہے جس نے مبعوث کیا اَن پڑھ لوگوں میں ایک رسول انہی میں کا۔

لکھنے والوں کی قلت کا اندازہ اِس سے کیجئے کہ مکہ جیسے مرکزی مقام پر آغازِ اسلام کے وقت صرف گنے چنے آدمی لکھنا جانتے تھے۔

مکہ کے اہلِ قلم

بلاذری[(۱)] نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ:-

جس وقت اسلام آیا قریش میں سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے، جن کے نام یہ ہیں: عمر[۱] بن الخطاب، علیؓ[۲] بن ابی طالب، عثمانؓ[۳] بن عفان، ابوعبیدۃ[۴] بن الجراح، طلحہ[۵]، یزید[۶] بن ابی سفیان، ابوحذیفہ[۷] بن عتبہ، حاطب[۸] بن عمرو، ابوسلمہ[۹] بن عبدالاسد، ابان[۱۰] بن سعید اور ان کے بھائی خالد[۱۱] بن سعید، عبد[۱۲]اللہ بن سعد، حو[۱۳]یطب بن عبدالعزیٰ، ابوسفیان[۱۴] بن حرب بن اُمیہ، معاویہ[۱۵] بن ابی سفیان، جہیم[۱۶] بن الصلت اور حلفائے قریش میں سے العلاء[۱۷] بن الحضرمی۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عامر بن فہیرہ (حضرت ابوبکرؓ کے غلام) بھی لکھنا جانتے تھے۔[(۲)]

---

(۱) فتوح البلدان، ترجمہ اُردو ج:۲ ص:۲۵۱۔

(۲) جیسا کہ سراقہ بن مالک کے واقعہ میں آگے آئے گا، نیز دیکھئے: مستدرک حاکم ج:۳ ص:۷، وسیرۃ المصطفیٰ ج:۱ ص:۳۳۴۔

اور ورقہ بن نوفل (حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی) کے متعلق تو صحیح مسلم میں بھی صراحت ہے کہ وہ عربی لکھنا جانتے تھے، اور انجیل کا ترجمہ عربی زبان میں لکھا کرتے تھے۔[1]

نیز ابنِ ندیم نے لکھا ہے کہ: مأمون الرشید کے کتب خانے میں ایک دستاویز تھی جو عبدالمطلب بن ہاشم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی، عبدالمطلب کا قرض حمیر کے کسی آدمی کے ذمہ تھا، یہ اس کے متعلق تھی، ابنِ ندیم نے اس کا متن بھی نقل کیا ہے۔[2]

مدینہ کے اہلِ قلم

بلاذری[3] نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ:-

> مدینہ کے مشہور قبیلوں اوس اور خزرج میں عربی لکھنے والے بہت کم تھے، یہود میں سے کسی نے انہیں عربی کتابت سکھائی، اسلام سے قبل اہلِ مدینہ کے بچے یہ فن سیکھتے تھے، جب اسلام آیا تو اوس اور خزرج میں متعدد لکھنے والے تھے، سعد[1] بن عبادہ بن دلیم، منذر[2] بن عمرو، اُبیّ[3] بن کعب، زید[4] بن ثابت - یہ عربی و عبرانی دونوں زبانوں میں لکھتے تھے- رافع[5] بن مالک، اُسید[6] بن حضیر، معن[7] بن عدی البلوی حلیف انصار، بشیر[8] بن سعد، سعد[9] بن ربیع، اوس[10] بن خولی، عبد[11]اللہ بن اُبیّ المنافق، سوید[12] بن الصامت اور حضیر[13] الکتائب۔

بلاذری کے بیان کے مطابق یہ صرف تیرہ اشخاص ہیں، لیکن امام مسلمؒ کی روایت ہے[4] کہ حضرت کعب بن مالک انصاریؓ بھی لکھنا جانتے تھے، اور حضرت انسؓ کی خدمات میں آگے بیان ہوگا کہ وہ دس سال کی عمر سے لکھنا جانتے تھے، ان دونوں

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحی ج:۱ ص:۸۸۔

(۲) الفہرست لابن ندیم ص:۱۳، ۱۴۔

(۳) فتوح البلدان ج:۲ ص:۲۵۵۔

(۴) صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۶۲، کتاب التوبۃ، باب حدیث توبۃ کعب بن مالکؓ۔

حضرات کو شامل کر کے تعداد پندرہ ہو جاتی ہے۔

ایک اور مثال

تقریباً ۷ھ میں مشرق عرب کے علاقہ جوآثا کے لوگوں کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تبلیغی نامہ مبارک بھیجا، تو سارے قبیلے میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو خط پڑھ سکے، بالآخر ایک بچہ ملا جس نے پڑھ کر سنایا۔[1]

کتابت، عہدِ رسالتؐ میں

سب جانتے ہیں کہ خدائے علیم وحکیم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عظیم مصلحت سے اُمی ہی رکھا تھا، قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے:-

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ. (العنکبوت:۴۸)

ترجمہ:- اس سے پہلے نہ تو آپ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے، ورنہ یہ جھوٹے شک میں پڑ جاتے۔

کتابت کے بارے میں اسلام کی رَوِش

لیکن اسی رسولِ اُمی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا جو دِین پیش کیا، اس نے پہلے دن سے لکھنے پڑھنے کی نہ صرف ترغیب دی، بلکہ ایسا ماحول پیدا کردیا کہ یہی غیر متمدّن قوم دیکھتے ہی دیکھتے اَقوامِ عالم کی معلّم بن گئی۔

انہوں نے قرونِ مابعد میں تحریر وکتابت کو بامِ عروج پر پہنچادیا، اور بالآخر عربی زبان میں مختلف دینی و دُنیوی علوم کا وہ نادر اور بیش بہا ذخیرہ جمع کردیا جسے دورِ حاضر کے تمام علوم وفنون کے لئے ''سنگِ بنیاد'' کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

قرونِ مابعد میں عربی تحریر وکتابت کو جو عظیم الشان وسعت اور حیرت ناک

---

(۱) مقدمہ صحیفۂ ہمام بن مُنبہ ص:۱۳۔

ترقی حاصل ہوئی، اس کا جائزہ لینا تو اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں، یہاں صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ یہ ترقی درحقیقت اس پالیسی کا نتیجہ تھی جسے اسلام نے عہدِ رسالتؐ میں اختیار کیا تھا۔

تحریر و کتابت کے سلسلے میں اسلام نے جو رَوِش اختیار کی، اس کا کچھ اندازہ آنے والی سطور سے ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو سب سے پہلے جو وحی سنائی، وہ پڑھنے کے حکم اور لکھنے کی تعریف پر مشتمل تھی:-

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ.
اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ. الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ.

ترجمہ:- پڑھ اپنے رَبّ کے نام سے جس نے بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے، پڑھ اور تیرا رَبّ بڑا کریم ہے، جس نے علم سکھایا قلم سے، سکھایا آدمی کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔

یہی نہیں، بلکہ تلاوت کی جانے والی وحی کا نام ہی "قُرْآن" (پڑھی جانے والی چیز) اور "کِتَاب" (لکھی جانے والی چیز) قرار پایا، قرآن نے اپنے یہ دونوں نام خود ہی کئی جگہ بتائے ہیں، مگر خاص بات یہ ہے کہ سورۂ بقرہ جو ترتیب کے لحاظ سے سورۂ فاتحہ کے بعد سب سے پہلی سورۃ ہے، اس کا دُوسرا لفظ "الکتاب" ہے۔

قرآن کی ایک مستقل سورۃ کا نام "القلم" ہے، جس کی ابتداء ہی ان الفاظ سے ہوئی ہے:-

نٓ. وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ.
(قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں)

مدینہ طیبہ پہنچ کر سب سے پہلے سورۂ بقرہ نازل ہوئی، اس کی آیتِ مداینہ قرآن کی سب سے بڑی آیت ہے، جس میں یہ حکم بڑی تاکید سے دیا گیا ہے کہ جب تم آپس میں قرض اور اُدھار کے معاملات کرو تو ان کو لکھ لیا کرو:-

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا تَدَايَنۡتُمۡ بِدَيۡنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكۡتُبُوۡهُ وَلۡيَكۡتُبْ بَّيۡنَكُمۡ كَاتِبٌۢ بِالۡعَدۡلِ وَلَا يَاۡبَ كَاتِبٌ اَنۡ يَّكۡتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلۡيَكۡتُبۡ وَلۡيُمۡلِلِ الَّذِىۡ عَلَيۡهِ الۡحَقُّ.

ترجمہ:- اے ایمان والو! جب تم آپس میں معاملہ کرو اُدھار کا کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو، اور چاہئے کہ لکھ دے تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے، اور انکار نہ کرے لکھنے والا لکھنے سے، جیسا سکھایا اس کو اللہ نے، پس اس کو چاہئے کہ وہ لکھ دے، اور جس پر قرض ہے وہ املاء کرادے۔

آگے ارشاد ہے:-

وَلَا تَسۡئَمُوۡۤا اَنۡ تَكۡتُبُوۡهُ صَغِيۡرًا اَوۡ كَبِيۡرًا.

ترجمہ:- اور کاہلی نہ کرو اس کے لکھنے سے، چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا۔

اسی طرح دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت لکھنے کی کیسی تاکید فرمائی ہے:-

مَا حَقُّ امۡرِءٍ مُّسۡلِمٍ لَّهٗ شَیۡءٌ يُّوۡصٰى فِيۡهِ يَبِيۡتُ لَيۡلَتَيۡنِ اِلَّا وَوَصِيَّتُهٗ مَكۡتُوۡبَةٌ عِنۡدَهٗ.(۱)

ترجمہ:- کسی مسلمان کو جس کے پاس وصیت کے لائق کچھ مال ہو، یہ حق نہیں کہ دو راتیں گزارے، بغیر اس کے کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی رکھی ہو۔

سفرِ ہجرت میں بھی لکھنے کا انتظام

کچھ اندازہ اس واقعے سے بھی ہوگا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم وطنوں کی ایذاء رسانیوں سے مجبور ہوکر ہجرتِ مدینہ کا سفر فرمایا تو کفارِ مکہ نے آپ صلی

(۱) بخاری، کتاب الوصایا ج:۱ ص:۳۸۲۔

اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری یا قتل پر سو اُونٹ انعام کا اعلان کر دیا تھا۔[1] اُن حالات میں سفر کی نزاکت اور صعوبتوں کا اندازہ کیجئے، جان بچانا بھی آسان نہ تھا۔ مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس سخت بے سروسامانی کے سفر میں قلم دوات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔

واقعہ یہ ہوا کہ انعام کے لالچ میں سراقہ بن مالک تلاش کرتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا، مگر معجزانہ طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا سامان ہوا، جب سراقہ بے بس ہوگیا تو عرض کی کہ: میں واپس چلا جاتا ہوں، آپ مجھ کو ایک تحریر لکھ دیجئے کہ اگر آپ غالب ہوئے تو مجھ کو امان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ سے ایک چمڑے کے ٹکڑے پر امان نامہ لکھوا دیا۔[2]

تاریخ کا پہلا تحریری دُستورِ مملکت

ہجرت[3] کے پانچ ماہ بعد جب مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی تو ایک ''دستورِ مملکت'' نافذ فرمایا۔

ڈاکٹر حمیداللہ صاحب[4] کی تحقیق کے مطابق یہ تاریخِ عالم کا سب سے پہلا ''تحریری دستورِ مملکت'' ہے، اس[5] میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات، حقوق و فرائض اور قصاص، دیت، فدیہ، جنگی قیدیوں کے معاملات اور مسلمانوں کی جدا قومیت وغیرہ کی تشریح کی گئی، ابتدائی مضمون یہ ہے:-

---

(۱) مستدرک حاکم ج:۳ ص:۶، وسیرۃ المصطفیٰ ج:۱ ص:۳۳۳، بحوالہ بخاری وفتح الباری وغیرہ۔

(۲) دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ ج:۳ ص:۱۸۵، ج:۵ ص:۳۴۸۔

(۳) سیرۃ المصطفیٰ ج:۱ ص:۳۸۲ بحوالہ تاریخ الخمیس ج:۱ ص:۲۹۸۔

(۴) موصوف نے اپنے اس دعوے کو مستند حوالوں سے ذکر کیا ہے، اور اس دُستور کی بعض تفصیلات ذکر کی ہیں، دیکھئے: مقدمہ صحیفۂ ہمام بن مُنبّہ ص:۲۴۔

(۵) تفصیل کے لئے دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ ص:۲۲۴، وسیرۃ ابنِ ہشام ج:۱ ص:۵۰۱، وسیرۃ المصطفیٰ ج:۱ ص:۳۸۲۔

پیغمبر محمد رسول اللہ کی یہ ایک تحریر ہے جو قریش اور یثرب کے
مؤمنوں اور مسلمانوں اور ان لوگوں کے درمیان (مؤثر) ہے جو
اِن (مسلمانوں) کے تابع ہوں، ان سے آملیں، اور جنگ میں
ان کے ساتھ حصہ لیں۔

یہ دستور باون دفعات پر مشتمل ہے جس کے متن میں پانچ مرتبہ "اَھلِ هٰذِهِ الصَّحِیْفَةِ" (اس دستاویز والوں) کے الفاظ دُہرائے گئے ہیں۔

مردم شماری کی پہلی تحریر

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے ابتدائی زمانے میں مسلمانوں کی مردم شماری کرائی، جسے باقاعدہ تحریر کرایا۔

صحیح بخاری میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اُکْتُبُوْا لِیْ مَنْ تَلَفَّظَ بِالْاِسْلَامِ مِنَ النَّاسِ، فَکَتَبْنَا لَهُ اَلْفًا وَّخَمْسَ مِائَةِ رَجُلٍ.

ترجمہ:- مجھے ان لوگوں کے نام لکھ دو جو اسلام کا اقرار کرتے ہیں، (راوی کہتے ہیں) اس پر ہم نے آپ کو پندرہ سو مردوں کے نام لکھ دیئے۔

بخاری میں اس کے فوراً بعد ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

فَوَجَدْنَاهُمْ خَمْسَ مِائَةٍ.

(پس ہم نے ان (مسلمانوں کو) پانچ سو کی تعداد میں پایا)

ہوسکتا ہے کہ مردم شماری آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ کرائی ہو، پہلی بار تعداد پانچ سو ہو اور دُوسری مردم شماری میں ڈیڑھ ہزار ہوگئی ہو۔

مجاہدین کی فہرست

معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالتؐ میں جب کوئی معرکہ پیش آتا تو اس کے لئے

مجاہدین کی فہرست لکھ کر پہلے سے تیار کرلی جاتی تھی۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ایک مستقل باب اِس عنوان سے ہے:-

"بَاب مَنِ اکْتُتِبَ فِيْ جَيْشٍ"(۱)

جس میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت مذکور ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ یہ سن کر ایک صحابی نے کھڑے ہوکر عرض کیا:-

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اکْتُتِبْتُ(۲) فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا وَخَرَجَت امْرَأَتِيْ حَاجَّةً.

ترجمہ:- یارسول اللہؐ! میرا نام فلاں فلاں غزوہ میں لکھا جاچکا ہے اور میری بیوی حج کو گئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

فَاحْجُجْ مَعَ امْرَأَتِکَ. تب تو تم اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

دربارِ نبویؐ کے کاتب

ہجرت کے بعد جو اسلامی حکومت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی، اس کی حدود تیزی سے پھیل رہی تھیں، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں پورا جزیرہ نمائے عرب اسلام کے زیرِ اثر آچکا تھا، جس کا مجموعی رقبہ بارہ(۳) لاکھ مربع میل میں پھیلا ہوا تھا۔

اتنے وسیع نظامِ حکومت کے لئے تحریر وکتابت کی جتنی ضرورت تھی، اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہورہا تھا، حتیٰ کہ دربارِ نبوی میں کتابت کی خدمت مستقل طور سے یا

(۱) بخاری ج:۱ کتاب الجہاد ص:۴۴۱۔

(۲) اُکْتُتِبْتُ کے معنی حاشیۂ بخاری میں علامہ کرمانی شارحِ بخاری سے یہ نقل کئے ہیں: "اُکْتُتِبَ الرَّجُلُ اِذَا کُتِبَ نَفْسُهُ فِيْ دِيْوَانِ السُّلْطَانِ." دیکھئے ص:۴۲۱ حاشیہ نمبر۱۱۔

(۳) رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی ص:۱۲۔

کا ہے گا ہے انجام دینے والے تینتالیس صحابہ کرامؓ کے نام بیان کیے گئے ہیں[1] جو قرآنِ کریم کے علاوہ سرکاری مراسلت اور فرمان بھی تحریر فرماتے تھے، ان میں سے چھبیس حضرات خاص طور[2] سے مشہور ہیں۔

امام مسلمؒ کی روایت ہے کہ حضرت حنظلہؓ الأسیدی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔[3]

مختلف سرکاری تحریریں

انتظامی و سرکاری نوعیت کی بعض تحریریں اُوپر گزر چکی ہیں، صحیح بخاری[4] و طبقاتِ ابنِ سعد وغیرہ میں اس نوعیت کی اور بھی بہت سی تحریروں کا ذکر ملتا ہے، مثلاً ہجر کے سردار اسیخت کے نام ایک خط میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی کہ[5]:-

اِنَّهٗ جَاءَنِی الْاَقْرَعُ بِکِتَابِکَ وَشَفَاعَتِکَ لِقَوْمِکَ وَاِنِّیْ قَدْ شَفَّعْتُکَ .... الخ.

ترجمہ:- تمہارا خط اور سفارش لے کر جو تم نے اپنی قوم کے لئے کی ہے، اَقرع میرے پاس پہنچ گیا ہے، اور میں نے تمہاری سفارش منظور کرلی ہے .....الخ۔

نیز عتبہ بن فرقد کو مکہ مکرمہ میں مکان بنانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کا ایک ٹکڑا عنایت فرمایا، تو اس کی سرکاری دستاویز لکھوا کر ان کے حوالے کی،

---

(۱) مقدمہ صحیفۂ ہمام بن مُنبّہ ص:۲۱، ۲۲۔

(۲) ناموں کی تفصیل کے لئے دیکھئے: بذل المجهود شرح ابی داؤد ج:۴ ص:۱۱۸، و حاشیہ سنن ابی داؤد، باب فی اتخاذ الکاتب ج:۲ ص:۴۰۷، حاشیہ ۴۔

(۳) صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۵۵، کتاب التوبۃ، باب فضل دوام الذکر۔

(۴) تفصیل کے لئے دیکھئے: صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب خرص التمر ج:۱ ص:۲۰۰، وکتاب الجہاد اذا وادع الامام ملک القریۃ ج:۱ ص:۴۴۸، وطبقات ج:۱ ص:۲۵۸ تا ۲۹۱ جزو:۳۔

(۵) دستاویز کے پورے متن کے لئے ملاحظہ ہو: طبقاتِ ابنِ سعد ج:۱ ص:۲۷۵ جزو:۳۔

جس میں اس زمین کا محلِ وقوع بھی معین کیا گیا تھا، دستاویز کا اقتباس ملاحظہ ہو:-

اعطاه موضع دار بمكة يبنيها مما يلي المروة .... الخ.[1]

ترجمہ:- اس کو مکہ میں ایک گھر کی جگہ دی جاتی ہے، جسے یہ مروہ (پہاڑ) کے متصل تعمیر کرے گا۔

کتبِ حدیث و سیر میں عہدِ رسالتؐ کی سرکاری دستاویزوں کی بہت بڑی تعداد آج بھی محفوظ ہے، اور بعض نے تو ان کو مستقل تصانیف میں جمع کر دیا ہے، اس سلسلے کی سب سے پہلی مستقل تالیف مشہور صحابی حضرت عمرو بن حزمؓ نے کی تھی، جیسا کہ آگے بیان ہوگا، اس کے بعد سے یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔[2]

عہدِ رسالتؐ میں زکوٰۃ اور محاصل کے حسابات، مالِ غنیمت کی آمد و تقسیم اور فصل کٹنے سے پہلے اُس کا تخمینہ وغیرہ لکھنے کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔[3]

سرکاری مہر

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر ملکی حکمرانوں کو تبلیغی خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو بعض صحابہ کرامؓ کے مشورے پر اپنے نام کی ایک مہر بھی تیار کرائی، جو بطور دستخط کے استعمال ہوتی رہی۔

صحیح بخاری[4] میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:-

فَقِيْلَ لَهُ: اِنَّهُمْ لَا يَقْرَءُوْنَ كِتَابًا اِلَّا مَخْتُوْمًا، فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ فِضَّةٍ نَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ، كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی بَيَاضِهٖ.

---

(۱) پورے متن کے لئے ملاحظہ ہو: طبقاتِ ابنِ سعد ج:۱ ص:۲۸۵ جزو:۳۔

(۲) پچھلے دنوں بھی اس موضوع پر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی ایک قابلِ قدر تصنیف بنام "الوثائق السیاسیۃ" مصر میں طبع ہوئی ہے، جس میں عہدِ رسالتؐ و عہدِ صحابہؓ کی تقریباً دو سو پچھتر سرکاری و سیاسی دستاویزیں جمع کی گئی ہیں، اب لاہور سے اس کا اُردو ترجمہ بنام "سیاسی وثیقہ جات" شائع ہو چکا ہے۔

(۳) مقدمہ صحیفۂ ہمام بن منبہ ص:۲۲ بحوالہ "التنبیہ والاشراف" للمسعودی۔

(۴) بخاری ج:۱ ص:۱۵، کتاب العلم، باب مایذکر فی المناولۃ۔

ترجمہ:- آپؐ سے عرض کیا گیا کہ: وہ لوگ تو بغیر مہر کے کوئی خط نہیں پڑھتے، پس آپؐ نے چاندی کی مہر بنوائی، جس پر ''محمد رسول اللہ'' منقوش تھا، گویا میں اس کی سفیدی اب دیکھ رہا ہوں۔

اور مشکوٰۃ میں بخاری و مسلم کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ملتا ہے کہ:-

لَا يَنْقُشَنَّ اَحَدٌ عَلٰى نَقْشِ خَاتِمِيْ هٰذَا.[1]

ترجمہ:- کوئی (اپنی مہر میں) میری اس مہر کا نقش ہرگز کندہ نہ کرائے۔

پاکستان و ہند میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض مکتوبات کے جو عکس شائع ہوئے ہیں، ان میں بھی اس مہر کا عکس موجود ہے۔

یہ مہر خطوط پر کبھی آپؐ خود بھی ثبت فرماتے ہوں گے، لیکن اس کام کے لئے خصوصیت سے حضرت عبداللہ بن الارقمؓ کا نام ملتا ہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص و معتمد علیہ کاتبین میں سے تھے، حتیٰ کہ اسد الغابہ[2] میں ان کے حالات میں تحریر ہے کہ:-

لَمَّا اسْتَكْتَبَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمِنَ اِلَيْهِ وَوَثِقَ بِهٖ فَكَانَ اِذَا كُتِبَ لَهٗ اِلٰى بَعْضِ الْمُلُوْكِ يَأْمُرُهٗ اَنْ يَّخْتِمَهٗ وَلَا يَقْرَئَهٗ لِاَمَانَتِهٖ.

ترجمہ:- جب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تو ان پر اعتماد ہوگیا، پس جب آپؐ کی طرف سے کسی بادشاہ کو خط لکھا جاتا تو آپؐ ان کو حکم دیتے کہ اس پر مہر لگادیں اور اس کا مضمون نہ پڑھیں، کیونکہ ان کی امانت پر اعتماد تھا (کہ نہیں پڑھیں گے)۔

---

(۱) مشکوٰۃ، باب الخاتم ص:۳۷۷۔

(۲) اسد الغابۃ لابن الاثیر ج:۳ ص:۱۱۵۔

ناخن کا نشان

اگر چہ مہر ٦ھ کے اواخر اور ۷ھ کے اوائل میں تیار ہوچکی تھی، اور اس کا استعمال بھی شروع ہوگیا تھا، لیکن ۹ھ میں غزوۂ تبوک کے موقع پر جب دومۃ الجندل کے حکمران اکیدر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پروانۂ امن اور شرائطِ صلح لکھ کر دیں تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہر کے بجائے اپنے ناخن کا نشان ثبت فرمایا، طبقاتِ ابنِ سعد میں ہے کہ:-

وَخَتَمَهُ يَوْمَئِذٍ بِظُفُرِهٖ۔[1]

(اُس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ناخن سے مہر لگائی)

اس کی وجہ یہ تھی[2] کہ اُکیدر کے وطن حیرہ والوں کا قدیم رواج تھا کہ وہ معاہدوں پر انگوٹھے کا نہیں بلکہ ناخن کا نشان لیتے تھے، اس سے ہلالی شکل کی ایک لکیر پڑ جاتی تھی۔

کتابت سکھانے کا انتظام

۲ھ میں جب تحویلِ قبلہ کا حکم آیا تو مسجدِ نبوی کے اس حصے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی تعلیم کے لئے خاص کر دیا تھا جو قدیم دیوارِ قبلہ سے متصل تھا، اور صفہ کے نام سے مشہور ہے، یہ ایک چبوترہ تھا جس پر سائبان[3] پڑا ہوا تھا۔

یہ تاریخِ اسلام کی پہلی اقامتی درسگاہ تھی جس میں طلبہ کی مجموعی تعداد چار سو تک بیان کی گئی ہے،[4] اور ایک ایک وقت میں ان کی تعداد ستر، اسّی تک[5] ہوجاتی تھی، یہ صحابہ کرامؓ براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علمِ دین سیکھتے تھے، اور بعض

---

(۱) طبقاتِ ابنِ سعد ج:۲ ص:۱۶۶ جزو:٦۔

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: مقدمہ صحیفۂ ہمام بن مُنبّہ ص:۲۷۔

(۳) سیرۃ المصطفیٰ ج:۱ ص:۳۸۷۔

(۴) مقدمہ صحیفۂ ہمام بن مُنبّہ ص:۱۸۔

(۵) چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے،.................. (باقی اگلے صفحے پر)

اساتذہ ان کولکھنا پڑھنا سکھانے پر مأمور تھے۔

چنانچہ عبداللہ بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ جو خوشخط تھے اور زمانۂ جاہلیت میں بھی کاتب کی حیثیت سے مشہور تھے، انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت سکھانے پر مأمور کیا تھا۔(۱)

نیز حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ وہ صفہ میں لوگوں کولکھنا اور قرآن پڑھنا سکھاتے تھے۔(۲)

غزوۂ بدر میں مسلمانوں نے دُشمن کے ستر(۳) آدمیوں کوگرفتار کیا، ان قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ فرمایا اس سے آپ کی تعلیمی سیاست بہت واضح ہوکر سامنے آتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُشمن کے ان قیدیوں کے لئے جو مفلس تھے، رہائی کا فدیہ یہ مقرر کیا کہ جو قیدی لکھنا، پڑھنا جانتا ہو وہ دس دس مسلمان بچوں کو یہ فن سکھادے۔(۴)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)...... جس کا حاصل یہ ہے کہ: ''میں نے ایسے ستر اصحابِ صفہ کو دیکھا ہے جن میں سے کسی کے بدن پر بھی کپڑا ایک چادر سے زیادہ نہ ہوتا تھا، اس چادر سے وہ بمشکل اپنی ستر پوشی کرتے تھے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب نوم الرجال فی المسجد ج:۱ ص:۶۳)۔

معلوم ہوا کہ جن اصحابِ صفہ کو ایک سے زیادہ کپڑے میسر تھے، وہ ان ستر کے علاوہ تھے، نیز حافظ ابنِ حجرؒ نے اسی روایت کے تحت لکھا ہے کہ: ابوہریرہؓ نے جن ستر اصحابِ صفہ کا ذکر کیا ہے وہ ان اصحابِ صفہ کے علاوہ ہیں جو بئرِ معونہ میں شہید ہوگئے تھے۔ (فتح الباری ج:۱ ص:۴۴۷)

حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ اکیلے ایک ایک رات میں اسّی اسّی اہلِ صفہ کی ضیافت کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج:۴ ص:۴۷۵ نمبر:۸۸۳)

(۱) اسد الغابہ ج:۳ ص:۱۷۵۔

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب کسب العلم ج:۲ ص:۴۸۵، ومسندِ احمد ج:۵ ص:۳۱۵۔

(۳) البدایۃ والنہایۃ ج:۳ ص:۲۹۷۔

(۴) کتاب الاموال لابی عبید ص:۱۱۵ نمبر:۳۰۸، ص:۱۱۶ نمبر:۳۰۹۔

محمد عجاج الخطیب نے ایسی متعدد[1] روایتیں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منوّرہ میں بچوں کے کئی مکتب موجود تھے، جہاں انہیں لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا تھا۔

خواتین کو لکھنے کی تعلیم

دین کی عام تعلیم کی طرح تحریر و کتابت کے سلسلے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی سیاست کا رُخ صرف مردوں تک محدود نہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بھی یہ فن سکھانے کا انتظام فرمایا۔ ابوداؤد[2] میں الشفاء بنت عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ: میں اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ کو لکھنا سکھاؤں۔

---

(۱) السنّة قبل التدوين ص:۲۹۹، ۳۰۰۔

(۲) سنن ابی داوٗد، کتاب الطب ج:۲ ص:۵۴۲۔ ایک حدیث مستدرکِ حاکم (ج:۴ ص:۳۹۶) میں ایسی بھی ملتی ہے جس میں عورتوں کو کتابت سکھانے سے منع کیا گیا ہے، مگر حافظ ذہبیؒ نے تلخیصِ مستدرک میں اس حدیث کو موضوع کہا ہے، اور بتایا ہے کہ اس کا راوی عبدالوہاب کذّاب (بہت جھوٹا) ہے۔ نیز بیہقی نے بھی شعب الایمان میں یہ حدیث دُوسرے طریق سے روایت کی ہے جس میں ایک راوی محمد بن ابراہیم شامی ہے جس کے متعلق ابنِ جوزیؒ نے کہا ہے کہ: "كَانَ يَضَعُ الْحَدِيْثَ" یعنی یہ شخص اپنی طرف سے حدیث بناکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردیا کرتا تھا۔ ابنِ حبانؒ نے بھی اس پر حدیث وضع کرنے (گھڑنے) کا الزام لگایا ہے، یہی حدیث ابنِ حبانؒ نے تیسرے طریق سے روایت کی ہے، مگر اس میں ایک راوی جعفر بن نصر ہے، جس کے متعلق ابنِ جوزیؒ اور ابنِ عدیؒ نے کہا ہے کہ: "حَدَّثَ عَنِ الثِّقَاتِ بِالْبَوَاطِيْلِ" یعنی یہ شخص ثقہ راویوں کی طرف بے بنیاد روایتیں منسوب کرتا ہے۔ (اللاٰلی المصنوعہ ج:۲ ص:۹۲، ۹۳) نیز حافظ ذہبیؒ نے جعفر بن نصر کو متہم بالوضع کہا ہے، یعنی کہا ہے کہ اس شخص پر حدیثیں گھڑنے کا الزام ہے، اور اس کے حالاتِ زندگی بیان کرتے ہوئے اس کی چند روایتیں جن میں مذکورہ بالا روایت بھی ہے، ذکر کرکے فرمایا ہے کہ: یہ سب روایتیں باطل ہیں۔ (لسان المیزان ج:۲ ص:۱۳۱)

خلاصۂ کلام یہ کہ جن روایتوں سے عورتوں کو کتابت سکھانے سے ممانعت معلوم ہوتی ہے، اُن میں کوئی بھی قابلِ استدلال یا معتبر نہیں، سب کی سب باطل، موضوع اور بے بنیاد ہیں۔ (امداد الاحکام مخطوطہ ۳۳۱، ۳۳۲ رجسٹر نمبر۴)۔

الشفاء زمانۂ جاہلیت ہی سے لکھنا جانتی تھیں۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی توجہ کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف قرونِ مابعد میں بلکہ خود عہدِ رسالتؐ میں ایسی کئی خواتین[۲] کے نام ملتے ہیں جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔

بلاذری نے ایسی پانچ خواتین کے نام سند سے ذکر کئے ہیں:- اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ، اُمِ کلثوم بنتِ عقبہؓ، عائشہ بنتِ سعد، کریمہ بنتِ مقداد اور الشفاء بنتِ عبداللہ۔ کہا نہیں جاسکتا اور بھی کتنی خواتین ہوں گی جو اس زمانے میں لکھنا جانتی تھیں۔

کتابتِ قرآن

قرآنِ حکیم کا نزول تیئیس سال تک تدریجی طور پر ہوتا رہا، اس کی کتابت کا اہتمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ فرمایا تھا، جو جو آیات اور سورتیں نازل ہوتی جاتیں وہ آپ ترتیب سے لکھوادیتے، ترتیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعۂ وحی بتائی جاتی تھی۔

اُردو میں ''کتابتِ قرآن'' کے موضوع پر کافی مفصل مواد عرصے سے موجود ہے، اس لئے ہم یہاں صرف اسی اجمال پر اکتفاء کرتے ہیں۔

غیر زبانوں میں تحریری ترجمے

اس سلسلے میں یہ بات بھی خاصی اہم ہے کہ تحریری طور پر عربی سے دُوسری زبانوں میں ترجموں کا آغاز بھی عہدِ رسالت میں ہوچکا تھا۔

یہود اگرچہ عربی بولتے تھے، لیکن لکھتے عبرانی زبان میں تھے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف اُمور میں ان سے بھی خط وکتابت کرنا پڑتی تھی، کسی یہودی مترجم پر اعتماد کیسے کیا جاسکتا تھا؟ اس لئے یہ خدمت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سپرد کی گئی۔[۳]

---

(۱) فتوح البلدان، ترجمہ اُردو ج:۲ ص:۲۵۲۔

(۲) فتوح البلدان ج:۲ ص:۴۷۳، ان میں سے دو کے نام ابوداؤد کے حوالے سے پیچھے گزر چکے ہیں۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منوّرہ ہجرت فرمائی .... (بقیہ اگلے صفحے پر)

چنانچہ سنن ابو داؤد میں حضرت زید بن ثابتؓ کا بیان ہے کہ:-

اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَعَلَّمْتُ لَہٗ کِتَابَ یَھُوْدَ وَقَالَ: اِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اٰمَنُ یَھُوْدَ عَلٰی کِتَابِیْ فَلَمْ یَمُرَّ بِیْ اِلَّا نِصْفُ شَھْرٍ حَتّٰی حَذقتہٗ فَکُنْتُ اَکْتُبُ لَہٗ اِذَا کَتَبَ وَاَقْرَأُ لَہٗ اِذَا کُتِبَ اِلَیْہِ.(۱)

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے لئے یہود کی کتابت سیکھوں، اور فرمایا: ''مجھے اپنی خط و کتابت کے معاملے میں یہود پر بھروسہ نہیں۔'' پس میں نے سیکھنا شروع کیا، نصف ماہ ہی گزرا تھا کہ میں اس میں ماہر ہو گیا، چنانچہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہود کو خط لکھا کرتا تھا اور جب اُن کے خط آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سناتا تھا۔

حضرت زید بن ثابتؓ فارسی، یونانی، قبطی اور حبشی زبانیں بھی جانتے تھے۔(۲)

نیز مسندِ احمد میں انہی کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر میں نے سریانی زبان (بھی) سترہ روز میں سیکھ لی تھی، یہ حکم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خط و کتابت کے لئے دیا گیا تھا۔(۳)

عہدِ رسالتؐ میں سورۂ فاتحہ کا ترجمہ

عجمی زبانوں میں یہ اعزاز غالباً فارسی ہی کو حاصل ہے کہ اس میں قرآنِ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ......تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عمر گیارہ سال تھی، اس لئے یہ غزوۂ بدر و اُحد میں شریک نہیں ہو سکے، سب سے پہلا غزوہ جس میں شریک ہوئے غزوۂ خندق ہے، پھر بعد کے غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج:۵ ص:۳۴۹)

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب العلم ج:۲ ص:۵۱۳، وطبقات ابنِ سعد ج:۲ ص:۳۵۸ جزء:۷، و فتوح البلدان للبلاذری ترجمہ اُردو ج:۲ ص:۲۵۶۔

(۲) التنبیہ والاشراف، ترجمۂ اُردو ص:۱۲۰۔

(۳) مسندِ احمد ج:۵ ص:۱۸۲۔

کریم کا ترجمہ عہدِ رسالت میں شروع ہوگیا تھا، بعض ایرانی لوگ مسلمان ہوئے، عربی تلفظ پر شروع میں قادر نہ تھے، عارضی طور پر نماز میں سورۂ فاتحہ کا فارسی ترجمہ پڑھنے کے لئے حضرت سلمان فارسی کو لکھا تو انہوں نے ترجمہ کرکے بھیج دیا۔

شمس الائمہ سرخسیؒ نے مبسوط[1] میں تفصیل ذکر کی ہے کہ:-

رُوِیَ اَنَّ الْفُرْسَ کَتَبُوْا اِلٰی سَلْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنْ یَّکْتُبَ لَھُمُ الْفَاتِحَۃَ بِالْفَارِسِیَّۃِ فَکَانُوْا یَقْرَءُوْنَ ذٰلِکَ فِی الصَّلٰوۃِ حَتّٰی لَانَتْ اَلْسِنَتُھُمْ لِلْعَرَبِیَّۃِ.

ترجمہ:- بیان کیا گیا ہے کہ اہلِ فارس نے سلمان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ان کے لئے سورۂ فاتحہ فارسی میں لکھ بھیجیں، چنانچہ یہ لوگ نماز میں اسے پڑھتے تھے، یہاں تک کہ ان کی زبان عربی سے مانوس ہوگئی۔

بعض روایات[2] سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم واجازت سے ہوا تھا۔

❋❋❋

---

(۱) المبسوط للسرخسی ج:۱ کتاب الصلوٰۃ بحث القراءۃ بالفارسیۃ ص:۳۷۔

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: مقدمہ صحیفۂ ہمام بن منبہ ص:۲۹۔

عہدِ رسالت
میں
کتابتِ حدیث

عہدِ رسالت میں کتابتِ حدیث

اِصطلاح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال کو ''حدیث'' کہتے ہیں۔[1] احادیث سے صحابہ کرامؓ کو نہ صرف بے پناہ جذباتی تعلق تھا، بلکہ وہ احادیث کو قرآن کی تفسیر اور اسلام کی ناگزیر بنیاد سمجھتے تھے۔

ہر شعبے میں لکھنے پڑھنے کا رواج جس تیزی سے بڑھ رہا تھا، اس کا کچھ حال پیچھے گزرا ہے، اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لکھنے کا کیا کچھ اہتمام نہ کیا گیا ہوگا۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابتِ حدیث کی نہ صرف اجازت دی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو اس کی ترغیب دیا کرتے تھے اور متعدّد صحابہ کرامؓ نہایت اہتمام سے احادیث لکھا کرتے تھے۔

ایسی احادیث بھی دس بیس نہیں، سینکڑوں میں ملتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگرانی میں حدیثیں لکھوائیں، خود املاء کرائیں یا لکھی ہوئی احادیث کسی صحابی نے سنائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توثیق فرمائی، کچھ اندازہ اِن مثالوں سے ہوگا:-

کتابتِ حدیث کا حکم

ا:- جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ سے حدیث سنتا ہوں وہ مجھے اچھی معلوم ہوتی ہے، لیکن بھول جاتا ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

---

(۱) مقدمہ فتح الملہم ج:۱ ص:۱۔

اِسۡتَعِنۡ بِیَمِیۡنِکَ، وَاَوۡمَأَ بِیَدِہٖ لِخَطٍّ. (۱)

ترجمہ:- اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو (یعنی لکھ لیا کرو)، اور اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ فرمایا۔

۲:- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے بھی احادیث لکھنے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی۔ (۲)

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے جو احادیث لکھی تھیں، ان کی قلمی نقلوں کا سلسلہ بھی جاری رہا ہے، چنانچہ حضرت سلمٰی کا بیان ہے کہ:-

رَاَیۡتُ عَبۡدَاللّٰہِ بۡنَ عَبَّاسٍ مَعَہٗ اَلۡوَاحٌ یَکۡتُبُ عَلَیۡھَا عَنۡ اَبِیۡ رَافِعٍ شَیۡئًا مِنۡ فِعۡلِ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ. (۳)

ترجمہ:- میں نے عبداللہ بن عباسؓ کو دیکھا کہ ان کے پاس کچھ تختیاں ہیں جن پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ افعال ابورافع سے لکھ کر نقل کر رہے ہیں۔

پھر حضرت ابنِ عباسؓ کے بارے میں بھی برابر یہ ذکر ملتا ہے کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت اتنی تالیفات چھوڑیں کہ ایک اُونٹ پر لادی جاسکتی تھیں اور ان کے صاحبزادے علی بن عبداللہ نے ان کتابوں کی نقلیں تیار کرائی تھیں۔ (۴)

۳:- بخاری (۵) و ترمذی کی روایت ہے کہ فتحِ مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق وغیرہ کے اہم مسائل پر خطبہ دیا، حاضرین میں سے ایک

---

(۱) جامع ترمذی ج:۲ ص:۱۰۷۔

(۲) مقدمہ صحیفۂ ہمام بن مُنبّہ ص:۳۳۔

(۳) ابنِ سعد ج:۲ ص:۱۷۱ جزو:۷۔

(۴) ابنِ سعد ج:۵ ص:۲۹۳ جزو:۱۸، کریب بن ابی مسلم و ترمذی، علل ج:۲ ص:۲۶۱۔

(۵) بخاری کتاب العلم، باب کتابۃ العلم ج:۱ ص:۲۲، و ترمذی ابواب العلم، باب ما جاء فی الرخصۃ فیہ ج:۲ ص:۱۰۷۔

یمنی شخص ابوشاہ نے درخواست کی کہ: یا رسول اللہ! یہ مجھے لکھ دیجئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ:-

اُکْتُبُوْا لِاَبِیْ شَاہ! یہ خطبہ ابوشاہ کے لئے قلم بند کردو۔

یہ تو وہ مثالیں تھیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض خاص صحابہ کرامؓ کو احادیث لکھنے کی اجازت یا حکم دیا، مگر بات اتنی ہی نہیں، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: میں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! ہم آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں، تو کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اُکْتُبُوْا وَلَا حَرَجَ! لکھ لیا کرو، کوئی حرج نہیں۔ (۱)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

قَیِّدُوا الْعِلْمَ بِالْکِتَابِ. علم کو لکھ کر محفوظ کرلو۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (۳):-

قَیِّدُوا الْعِلْمَ! قُلْتُ: وَمَا تَقْیِیْدُہٗ؟ قَالَ: کِتَابَتُہٗ.

ترجمہ:- علم کو قید کرو! میں نے پوچھا: علم کی قید کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے لکھنا۔

اِن حدیثوں میں کتابتِ حدیث کا حکم کسی خاص فرد کے لئے نہیں، بلکہ صحابہ کرامؓ کے لئے عام ہے۔

اس حکم کے نتائج

صحابہ کرامؓ کے علمی ذوق و شوق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب و ہمت افزائی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث

---

(۱) تدریب الراوی ص:۲۸۶، والمحدث الفاصل ص:۳۶۹۔

(۲) المحدث الفاصل ص:۳۶۸، وجامع بیان العلم لابن عبدالبر ج:۱ ص:۷۲۔

(۳) مستدرک حاکم ج:۱ ص:۱۰۶، وجامع بیان العلم ج:۱ ص:۷۳۔

بروقت لکھ لیا کرتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں[1] کہ: ایک دن ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرما رہے تھے، ہم لکھتے جاتے تھے۔

احادیث کے تحریری مجموعے

چنانچہ متعدّد صحابہ کرامؓ کے پاس احادیث کے کئی چھوٹے بڑے تحریری مجموعے عہدِ رسالت ہی میں تیار ہوگئے تھے، کوئی اگر دو چار احادیث پر مشتمل تھا تو کئی مجموعے خاصے ضخیم بھی تھے، اور قرونِ ما بعد میں جب احادیث کی منظّم طریقے سے تدوین ہوئی اور کتبِ حدیث ترتیب وتبویب کے سانچے میں ڈھالی گئیں تو یہ مجموعے ان میں شامل کرلئے گئے، یہاں چند مثالیں دِلچسپی سے خالی نہ ہوں گی۔

۱:- عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍؓ فَاِنَّ الْمَدِيْنَةَ حَرَمٌ حَرَّمَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مَكْتُوْبٌ عِنْدَنَا فِيْ اَدِيْمٍ خَوْلَانِيٍّ.

ترجمہ:- حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ مدینہ ایک حرم ہے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم قرار دیا ہے، اور یہ ہمارے پاس خولانی چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔[2]

یہ لکھی ہوئی حدیث تھی جسے بعد میں امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اور امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں شامل کرلیا۔

۲:- علامہ ابنِ عبدالبر مالکیؒ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے[3] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے قبضے میں ایک کاغذ ملا جس میں لکھا تھا کہ ''اندھے کو

---

(۱) مسندِ دارمی باب:۴۳ ج:۱ حدیث نمبر:۴۹۲۔

(۲) مسندِ احمد ج:۴ ص:۱۴۱ حدیث نمبر:۱۰، وصحیح مسلم ج:۱ ص:۴۴۰ باب فضل المدینۃ وبیان تحریمھا، کتاب الحج۔

(۳) جامع بیان العلم ج:۱ ص:۷۲۔

راستے سے بھٹکانے والا ملعون ہے، زمین کا چور ملعون ہے، اِحسان فراموش ملعون ہے۔"

۴:- الصحيفة الصادقة

پیچھے بیان ہوا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بروقت لکھ لیا کرتے تھے، نیز ان کے بارے میں بخاری و ترمذی وغیرہما نے حضرت ابوہریرہؓ کا یہ بیان ذکر کیا ہے کہ[1]:-

مَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدٌ اَكْثَر حَدِيْثًا عَنْهُ مِنِّىْ اِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو فَاِنَّهٗ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا اَكْتُبُ.

ترجمہ:- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں آپؐ کی حدیثیں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس نہیں سوائے عبداللہ بن عمرو کے کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔[2]

اور ان کا یہ لکھنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم و اجازت سے تھا، خود حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ:-

انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! میں آپ کی احادیث روایت کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا میں نے ارادہ کیا ہے کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں اپنے قلب کے علاوہ اپنے ہاتھ کی کتابت سے مدد لوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر میری حدیث ہو (تو

---

(۱) بخاری کتاب العلم، باب کتابۃ العلم ج:۱ ص:۲۱، وترمذی ج:۲ ص:۱۰۷، وسنن دارمی ج:۱ ص:۱۰۳، باب نمبر:۴۳ حدیث:۴۸۹۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ بروقت نہیں لکھتا تھا، ورنہ مستند روایات سے ثابت ہے کہ عہدِ رسالتؐ کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے بھی احادیث کے کئی مجموعے بلکہ اپنی تمام مرویات قلم بند کرلی تھیں۔ تفصیل "عہدِ صحابہؓ" کے کارناموں میں آئے گی۔

ٹھیک ہے) پھر تم اپنے قلب کے ساتھ اپنے ہاتھ سے مدد لو۔[1]

اِس حکم و اجازت کی مزید تفصیل انہی کی زبانی سننِ ابی داؤد،[2] اور مستدرکِ حاکم وغیرہ میں ملتی ہے کہ:-

كُنتُ اَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ اَسْمَعُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُرِيْدَ حِفْظَهُ فَنَهَتْنِيْ قُرَيْشٌ وَقَالُوْا: ءَاتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ يَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ.

ترجمہ:- میں جو بات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد رکھنا چاہتا تھا، اسے لکھ لیا کرتا تھا، قریش نے مجھے روکا اور کہا کہ: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات بھی سنتے ہو، لکھ لیتے ہو، حالانکہ وہ بشر ہی تو ہیں، بشر کی طرح وہ بھی کبھی غصے میں ہوتے ہیں (ہوسکتا ہے کہ غصہ کی حالت میں ان کے منہ سے کوئی بات خلافِ حق نکل جائے)۔

آگے حضرت عبداللہ ہی کہتے ہیں کہ: میں نے قریش کی یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی تو آپ نے اپنے لبوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا[3]:-

وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ! مَا يَخْرُجُ مِمَّا بَيْنَهُمَا اِلَّا حَقٌّ، فَاكْتُبْ.

ترجمہ:-قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! ان دونوں لبوں کے درمیان (جو زبان ہے) اس سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا، اس لئے تم لکھا کرو۔

---

(۱) سننِ دارمی باب:۴۳، ۱/ ص:۱۰۴، وطبقاتِ ابنِ سعد ج:۴ ص:۳۶۲ جزو :۱۵۔

(۲) ابنِ سعد ج:۴ ص:۲۶۲ جزو:۱۵، وابوداؤد ج:۲ ص:۵۱۳، والمحدث الفاصل ص:۳۶۴ تا ۳۶۶، ومستدرک ج:۱ ص:۱۰۵، ۱۰۶۔

(۳) حوالۂ بالا۔

انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور ان احادیث کا بڑا ذخیرہ لکھ کر محفوظ کرلیا تھا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی تھیں۔ اس مجموعۂ احادیث کا نام انہوں نے "الصَّحیفةُ الصَّادقة" رکھا تھا۔[۱]

اِس صحیفہ کی ضخامت

حضرت عبداللہؓ کا یہ بیان اور حضرت ابوہریرہؓ کا بیان جو اس سے پہلے گزرا ہے، اس صحیفے کی ضخامت پر بھی بڑی حد تک روشنی ڈالتا ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان یہ ہے کہ تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ حدیثیں میرے پاس ہیں سوائے عبداللہ بن عمروؓ کے، کیونکہ وہ لکھ لیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ کے پاس جو احادیث محفوظ تھیں ان کی تعداد حضرت ابوہریرہؓ کی حدیثوں سے زیادہ تھی، اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ کل حدیثیں پانچ ہزار تین سو چوہتر ہیں[۲]، لہٰذا حضرت عبداللہؓ کے پاس محفوظ احادیث کا ذخیرہ اس تعداد سے ضرور زائد ہونا چاہئے۔

اِدھر حضرت عبداللہؓ کا بیان ابھی گزرا ہے کہ: "کُنْتُ اَکْتُبُ کُلَّ شَیْءٍ اَسْمَعُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُرِيْدُ حِفْظَهٗ" (میں جو بات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد رکھنا چاہتا تھا، اسے لکھ لیا کرتا تھا) جس کا تقاضا ہے کہ ان کو جتنی احادیث محفوظ تھیں وہ سب ان کے پاس لکھی ہوئی تھیں، اس سے یہ نتیجہ نکالنا بظاہر کتنا ہی مبالغہ معلوم ہو لیکن نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ان کا صحیفہ پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) سے زائد احادیث پر مشتمل تھا۔

اور قرائن بھی اس کی تائید کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ[۳] اپنے والد سے بھی

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: اسد الغابة ج:۳ ص:۲۳۴، والمحدث الفاصل ص:۳۶۶، ۳۶۷، و ابنِ سعد ج:۲ ص:۳۷۳ جزو:۷، وج:۴ ص:۲۶۲ جزو:۱۵۔

(۲) شرح النووی علی مقدمة صحیح مسلم ص:۸، وفتح الملہم جلد اوّل ص:۱۲۵۔

(۳) ان کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے: ابنِ سعد ج:۴ ص:۲۶۲ جزو:۱۵، واسد الغابة ج:۳ ص:۲۳۳، ومرقاة ج:۱ ص:۷۲۔

پہلے مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے،[۱] لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وصحبت میں رہنے کا شرف ان کو کئی سال حاصل رہا، پھر ان کا علمی ذوق وشوق بھی معروف ہے۔ اس پوری مدّت میں جب ان کا معمول یہ ہو کہ جو حدیث بھی یاد کرنا چاہیں، اسے لکھ لیا کرتے ہوں تو ان کی لکھی ہوئی احادیث کا اتنی تعداد کو پہنچ جانا بعید از قیاس نہیں۔

پھر اسد الغابہ[۲] میں انہی کے اس بیان سے کہ:-

حَفِظْتُ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْفَ مَثَلٍ.

ترجمہ:- میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہزار مثال محفوظ کی ہیں۔

اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ ان کے صحیفے میں ایک ہزار تو صرف ایسی احادیث تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''امثال''[۳] کے طور پر ارشاد فرمائی تھیں، تو جب ''امثال'' ہی کی تعداد ایک ہزار تھی تو سادہ اُسلوب کی احادیث اس میں پانچ چھ ہزار یا اس سے بھی زائد ہوگئی ہوں تو کیا تعجب ہے؟ تا چیز راقم الحروف کو بھی اس صحیفے کی بہت سی احادیث کے مطالعے کی سعادت نصیب ہوئی ہے، میں نے اس صحیفے کی جتنی احادیث مشہور کتبِ حدیث مثلاً سنن ابی داؤد،[۴] مسندِ احمد، تہذیب التہذیب اور مشکوٰۃ وغیرہ میں دیکھی ہیں وہ سب کی سب سادہ اُسلوب کی احادیث ہیں، اِس سے بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ یہ صحیفہ صرف ایک ہزار امثال ہی پر مشتمل نہ تھا بلکہ غالباً سادہ اُسلوب کی احادیث ''امثال'' سے بھی کئی گنا زائد تھیں، لہٰذا

---

(۱) ان کے والد حضرت عمرو بن العاصؓ خیبر کے سال مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ (اسد الغابۃ ج:۴ ص:۱۱۶، ۱۱۷)۔

(۲) ج:۳ ص:۲۳۳۔

(۳) مَثَل اور امثال سے مراد یہاں وہ حدیثیں ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم مثال اور تشبیہ کے اُسلوب میں ارشاد فرمایا ہو، یہ اُسلوب قرآنِ حکیم میں بھی بکثرت آیا ہے، مفسرین ایسی آیات کو ''امثالِ قرآن'' کہتے ہیں۔

(۴) حوالوں کی تفصیل آگے آئے گی۔

اگر یہ صحیفہ پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) سے زائد احادیث پر مشتمل ہو تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی تائید دلائل و قرائن نہ کرتے ہوں۔

ایک شبہ

یہاں ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا تفصیلات تو صاف بتارہی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پاس احادیث کا ذخیرہ حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی زیادہ تھا، لیکن جو احادیث ہم تک پہنچی ہیں، ان میں معاملہ برعکس ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیثوں کے مقابلے میں حضرت عبداللہؓ کی روایت کردہ حدیثیں بہت کم ہیں، حتیٰ کہ ان کی روایت کردہ حدیثوں کی تعداد صرف سات سو ہے؟[1]

اس کا جواب

لیکن اس کا جواب بھی واضح ہے کہ کسی کے پاس زائد علم یا ضخیم کتاب کے ہونے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اس کو اپنے علوم دُوسروں تک پہنچانے کے مواقع بھی اتنے ہی زیادہ ملے ہوں؟ ایسے علماء ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں کہ علوم کے بحرِ ذخار ہونے کے باوجود ان کو اپنے علوم دُوسروں تک پہنچانے کے اتنے مواقع فراہم نہیں ہوتے، جتنے ان سے کم علم رکھنے والوں کو میسر آجاتے ہیں۔

ایک عالم اگر کسی مرکزی مقام پر ہو اور اس کا مشغلہ ہی شب و روز تدریس و تبلیغ کا ہو تو شاگردوں کے ذریعہ اس کے علوم کا پورا ذخیرہ دُوسروں تک پھیلتا اور منتقل ہوتا رہتا ہے، لیکن دُوسرا عالم اگرچہ اس سے زیادہ علوم رکھتا ہو لیکن وہ کسی مرکزی مقام پر نہ ہو یا اسے دُوسرے مشاغل بھی رہتے ہوں تو اس سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی اور اس کے علوم اتنی کثرت سے دُوسروں تک نہیں پہنچ پاتے۔

یہاں بالکل یہی صورت پیش آئی کہ حضرت ابو ہریرہؓ مدینہ منوّرہ میں تھے جو اس وقت علومِ نبوّت کا سب سے بڑا سرچشمہ تھا، طالبانِ علم سب سے پہلے اسی کا رُخ کرتے تھے، اور خود حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ حال تھا کہ مدینہ میں نہ ان کا کوئی خاندان تھا،

---

(۱) المرقاۃ لعلی القاری ج:۱ ص:۲۷۔

نہ رشتہ داریاں، نہ گھریلو ذمہ داریاں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد شب و روز تدریس وتبلیغ میں روایتِ حدیث ہی کو اپنا مشغلہ بنالیا تھا، چنانچہ جن حضرات نے اِن سے حدیثیں روایت کیں ان کی تعداد آٹھ سو بیان کی گئی ہے۔[۱] لہٰذا ان کی روایت کردہ حدیثیں اطرافِ عالم میں پھیلتی چلی گئیں، برخلاف حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے کہ ان کا قیام مصر و شام وغیرہ میں اپنے والدِ ماجد حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ رہا، جو مصر کے گورنر ہونے کے باعث نظمِ حکومت اور جہاد وغیرہ میں مشغول رہتے تھے، اپنے والدِ ماجد کے ساتھ ان کو جنگِ صِفّین میں بھی شریک ہونا پڑا تھا،[۲] ظاہر ہے کہ ان حالات میں ان کو اپنی مکتوب احادیث پھیلانے کے ایسے مواقع فراہم نہ ہوسکے جو حضرت ابوہریرہؓ کو حاصل تھے، اس لئے ان کی تحریر کردہ حدیثیں ہم تک پوری نہیں پہنچ سکیں۔

اِس صحیفے کی حفاظت

بہرحال "الصحیفة الصادقة" حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا ایسا کارنامہ تھا کہ وہ اس پر جتنا بھی فخر کرتے بجا تھا، اور اس کی جتنی بھی حفاظت کرتے مناسب تھی۔

چنانچہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:-

میں[۳] عبداللہ بن عمروؓ کے پاس گیا اور ایک صحیفہ جو اُن کے گدّے کے نیچے رکھا تھا، اُٹھالیا، انہوں نے مجھے روک دیا، میں نے کہا: آپ تو کوئی چیز مجھ سے بچاکے نہیں رکھا کرتے۔

فرمایا:-

هٰذِهِ الصَّادِقَةُ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

---

(۱) فتح الباری ج:۱ ص:۱۸۴۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی وفات ۶۵ھ میں شام ہی میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر بہتر سال تھی۔ (طبقات ج:۴ ص:۲۶۸ جز:۳)

(۳) اسد الغابۃ ج:۳ ص:۲۳۳، ۲۳۴، و جامع بیان العلم ج:۱ ص:۲۷، والمحدث الفاصل ص:۳۶۷۔

وَسَلَّمَ لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ اَحَدٌ. اِذَا سَلِمَتْ لِيْ هٰذِهٖ وَكِتَابُ اللّٰهِ وَالْوَهْطُ فَلَا اُبَالِيْ عَلٰى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ الدُّنْيَا.

وَالْوَهْطُ(۱) اَرْضٌ كَانَتْ لَهٗ يَزْرَعُهَا.

ترجمہ:- یہ (صحیفہ) صادقہ ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح سنا ہے کہ ان کے اور میرے درمیان کوئی واسطہ نہیں تھا، جب تک میرے پاس یہ اور قرآن اور وہط (ان کے زیرِ انتظام ایک وقف زمین) محفوظ ہے، مجھے دُنیا کی کسی چیز کی پروا نہیں۔

"الصحیفة الصادقة" پشت در پشت ان کے خاندان میں رہا، ان کے پڑپوتے حضرت عمرو(۲) بن شعیبؒ اس سے درسِ حدیث دیا کرتے تھے۔(۳)

پھر ان کے ذریعہ رفتہ رفتہ یہ صحیفہ بعد میں تألیف ہونے والی مشہور کتبِ حدیث میں مدغم ہوگیا، چنانچہ عمرو بن شعیبؒ کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کا کہنا ہے کہ: "میں(۴) ان کی روایت کردہ بعض احادیث (اپنی مسند میں) لکھتا ہوں۔" اور اب وہ کتبِ حدیث ہمارے سامنے ہیں جن میں اس صحیفے کی احادیث بکثرت موجود ہیں۔

اس کی علامت

یہ پہچاننے کے لئے کہ موجود کتبِ حدیث میں کون کون سی حدیثیں یقینی طور

---

(۱) اسد الغابہ میں ظاء معجمہ کے ساتھ ہے اور جامع بیان العلم میں طاء مہملہ کے ساتھ۔ نیز جامع بیان العلم کی روایت میں یہ تفصیل بھی ہے کہ وَهْـط ایک زمین تھی جو عمرو بن العاصؓ نے وقف فی سبیل اللہ کردی تھی، عبداللہ بن عمروؓ اس کا انتظام کرتے تھے۔ اور تذکرۃ الحفاظ (ج:۱ ص:۳۹) میں ہے کہ یہ طائف میں ایک باغ تھا، جس کی قیمت دس لاکھ درہم تھی۔

(۲) مشہور محدث ہیں۔

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے: تہذیب التہذیب، ترجمہ عمرو بن شعیبؒ ج:۸ ص:۴۹، ۵۴ نمبر ۸۰۔

(۴) حوالۂ بالا ص:۴۹۔

پر "الصحيفة الصادقة" کی ہیں؟ ایک بہت کارآمد اُصول تہذیب التہذیب[1] میں ملتا ہے، جو مشہور محدثین یحییٰ بن معینؒ اور علی بن مدینیؒ نے بتایا ہے کہ:—

عمرو بن شعیبؒ جو حدیث عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ روایت کریں، وہ اسی صحیفے کی حدیث ہوتی ہے۔

اِس اُصول کی روشنی میں اگر موجودہ کتبِ حدیث میں بھی تلاش کی جائے تو اس صحیفے کی بہت حدیثیں مل جائیں گی، چنانچہ سنن ابی داؤد، مسندِ احمد، نسائی، بیہقی اور مشکوٰۃ وغیرہ میں اس سند کی حدیثیں جگہ جگہ ملتی ہیں[2]، جو مذکورہ اُصول کے مطابق یقینی طور پر اسی صحیفے سے مأخوذ ہیں۔

۴:- صحیفۂ علیؓ

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے پاس بھی تحریری احادیث کا ایک مجموعہ موجود تھا، جو صحیفۂ علیؓ کے نام سے مشہور ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی عہدِ رسالتؐ ہی میں لکھا گیا تھا، مثلاً بخاری کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

مَا عِنْدَنَا شَیْءٌ اِلَّا کِتَابُ اللهِ وَهٰذِهِ الصَّحِیْفَةُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.[3]

ترجمہ:- ہمارے پاس کچھ نہیں، سوائے کتابُ اللہ (قرآن) کے اور اس صحیفے کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

صحیح بخاری ہی کی دُوسری حدیث ہے کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے فرمایا:-

مَا کَتَبْنَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا الْقُرْاٰنَ وَمَا فِیْ

---

(۱) حوالۂ بالا ص:۴۹، ۵۳۔

(۲) مثلاً ملاحظہ ہو: ابوداؤد ج:۱ ص:۲۱۸، ۲۲۵ کتاب الزکوٰۃ، والفتح الربانی (تبویب مسندِ احمد) باب الایمان بالقدر ج:۱ ص:۱۳۵، ۱۴۲، ومشکوٰۃ ج:۲ ص:۵۸۳، ۳۸۴، باب ثواب ہٰذہ الامۃ۔

(۳) بخاری، کتاب الجہاد، باب اثم من عاہد ثم غدر ج:۱ ص:۴۵۱۔

هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ.[1]

ترجمہ:- ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں لکھا، سوائے قرآن کے اور اس چیز کے جو اس صحیفے میں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اِس صحیفے کو نہایت اہتمام وحفاظت سے اپنے ساتھ رکھتے اور مجالس وخطبات میں اس کے مضامین بیان کیا کرتے تھے، چنانچہ بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ:-

خَطَبَنَا عَلِيٌّ فَقَالَ: مَا عِنْدَنَا كِتَابٌ نَقْرَأُهُ إِلَّا كِتَابُ اللهِ تَعَالٰى وَمَا فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ. فَقَالَ: فِيْهَا الْجِرَاحَاتُ وَاَسْنَانُ الْإِبِلِ وَالْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ.[2]

ترجمہ:- علی رضی اللہ عنہ نے ہمارے سامنے خطبہ دیا، پس کہا: ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں جو ہم پڑھتے ہوں، سوائے اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) کے، اور ان احادیث کے جو اس صحیفے میں ہیں، پھر کہا کہ: اس میں زخموں کی دیت (کے اَحکام) اور اُونٹوں کی عمریں ہیں اور یہ کہ مدینہ حرم ہے۔

اِس صحیفے اور اس کے مضامین کا ذکر حضرت علیؓ کی زبانی صحیح بخاری میں چھ[3] مقامات پر ملتا ہے، کہیں تفصیل ہے، کہیں اِجمال۔ بخاری کی ان سب روایات کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیفہ کافی طویل تھا، اور اس میں دیت، خون بہا، فدیہ، قصاص

---

(۱) بخاری، کتاب الجہاد، باب اثم من عاہد ثم غدر ج:۱ ص:۴۵۱۔

(۲) حوالۂ بالا باب ذمۃ المسلمین وجوارہم واحدۃ ج:۱ ص:۴۵۰۔

(۳) تفصیل کے لئے صحیح بخاری کے مندرجہ ذیل مقامات ملاحظہ کئے جائیں: ۱:- کتاب العلم، باب کتابۃ العلم ج:۱ ص:۲۱۔ ۲:- کتاب الجہاد، باب فکاک الاسیر ج:۱ ص:۴۲۸۔ ۳:- کتاب الجہاد، باب ذمۃ المسلمین وجوارہم واحدۃ ج:۱ ص:۴۵۰۔ ۴:- کتاب الحج، فضائل المدینۃ، باب حرم المدینہ ج:۱ ص:۲۵۱، ۲۵۲۔ ۵:- کتاب الجہاد، باب اثم من عاہد ثم غدر ج:۱ ص:۴۵۱۔ ۶:- کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب ما یکرہ من التعمق والتنازع ج:۲ ص:۱۰۸۴۔

ذمیوں کے حقوق اور ولاء و معاہدات کے اَحکام لکھے ہوئے تھے، نیز زکوٰۃ اور دیت کے مسائل کے لئے اُونٹوں کی عمریں اور مدینہ کے حرم ہونے کی تفصیلات بھی اس میں درج تھیں۔ ہم نے اس کے صرف بعض اقتباسات پر اکتفاء کیا ہے۔

اگر کتبِ حدیث میں جستجو کی جائے تو اس کی مزید تفصیلا ت بھی سامنے آنے کی توقع ہے!

۵:- حضرت انسؓ کی تألیفات

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا علمی ذوق وشوق معروف ہے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے سے پہلے ہی لکھنا جانتے تھے، انہیں دس سال کی عمر میں ان کی والدہ اُمِّ سلیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کیا تھا کہ(۱):-

هٰذَا ابْنِیْ وَهُوَ غُـلَامٌ كَاتِبٌ.

(یہ میرا بیٹا ہے، اور یہ لڑکا لکھنا جانتا ہے)

اِس پہلی حاضری کے بعد مسلسل دس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و تربیت میں اس طرح رہے، جیسے گھر ہی کے ایک فرد ہوں۔(۲)

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں دینی علوم کی تعلیم دینے کے لئے بصرہ منتقل ہوگئے تھے، جہاں ان سے تشنگانِ علومِ نبوّت ۹۳ھ تک استفادہ کرتے رہے۔

اِنہوں نے تو نہ صرف عہدِ رسالت ہی میں احادیث کے کئی مجموعے لکھ کر تیار کرلئے تھے، بلکہ ایک کام یہ کیا کہ یہ تحریری مجموعے احتیاطاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر بھی سنادیئے تاکہ ان کی مزید توثیق ہوجائے، بعد میں یہ ان مجموعوں سے احادیث روایت کیا کرتے تھے۔

---

(۱) طبقاتِ ابنِ سعد ج:۷ ص:۱۹ جزو:۲۵۔

(۲) مفصل حالات کے لئے دیکھئے: الاکمال فی اسماء الرجال ص:۱، ومرقاۃ ج:۱ ص:۷۳۔

ان کے شاگرد سعید بن ہلالؒ کا بیان ہے کہ:-

كُنَّا إِذَا أَكْثَرْنَا عَلٰى أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَأَخْرَجَ إِلَيْنَا مَجَالَّ عِنْدَهُ فَقَالَ: هٰذِهِ سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَتَبْتُهَا وَعَرَضْتُهَا. (۱)

ترجمہ:- ہم جب حضرت انسؓ سے زیادہ اصرار کرتے تو وہ ہمیں اپنے پاس سے بیاضیں نکال کر دکھاتے اور کہتے کہ: یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہی لکھ لی تھیں اور پڑھ کر بھی سنادی تھیں۔

اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس ایسا صرف ایک ہی مجموعہ نہیں تھا، بلکہ متعدّد مجموعے (بیاضیں یا دفتر) تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِملاء کرائی ہوئی حدیثیں

اب ہم ان تحریری احادیث کا اِجمالی خاکہ پیش کرنا چاہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اہتمام فرما کر اِملاء کرائیں اور انہیں اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ ان میں ایسی بہت سی تحریروں کا ذکر بھی آئے گا جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مہر بھی ثبت فرمائی، بلکہ انہیں گواہوں کے رُوبرو لکھوایا ہے۔

اِس قسم کی کئی مثالیں ''سراقہ'' کے قصے، ''دستورِ مملکت'' اور ''سرکاری تحریروں'' کے ضمن میں بھی گزری ہیں، مگر سیرت و حدیث کی مستند کتابوں میں اس قسم کی مثالیں دس بیس نہیں، سینکڑوں ملتی ہیں، ظاہر ہے کہ اس مقالے میں سب کو جمع کیا جائے تو ''مقالے'' کی بجائے ضخیم کتاب تیار ہوجائے گی، اِس لئے یہاں چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

---

(۱) مستدرکِ حاکم، ذکر انس بن مالکؓ، کتاب معرفۃ الصحابۃ ج:۳ ص:۵۷۳،۵۷۴۔ علامہ رامہرمزیؒ نے المحدث الفاصل میں یہ واقعہ ہبیرہ بن عبدالرحمٰن کی روایت سے ذکر کیا ہے۔ ص:۳۶۷۔

کتاب الصدقۃ

مشہور و مستند کتبِ حدیث میں اس ''کتاب الصدقۃ'' کی تفصیلات عام طور سے ملتی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُوسرے شہروں میں اپنے مقرر کردہ عاملوں کے پاس بھیجنے کے لئے لکھوائی تھی، مگر بھیجنے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، پھر اس پر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں تاحیات عمل کیا۔

اِس میں مویشیوں کا مفصل نصابِ زکوٰۃ، ان کی عمریں اور متعلقہ مسائل کی تفصیلات درج ہیں۔

سننِ ابی داوٗد و ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ[1] :-

كَتَبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابَ الصَّدَقَةِ فَلَمْ يُخْرِجْهُ اِلٰى عُمَّالِهٖ حَتّٰى قُبِضَ فَقَرَنَهٗ بِسَيْفِهٖ، فَلَمَّا قُبِضَ عَمِلَ بِهٖ اَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى قُبِضَ، ثُمَّ عَمِلَ بِهٖ عُمَرُ حَتّٰى قُبِضَ، فَكَانَ فِيْهِ: فِيْ خَمْسٍ مِّنَ الْاِبِلِ شَاةٌ .... الخ.

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقۃ لکھوائی، آپؐ اسے اپنے عاملوں کے پاس بھیجنے نہ پائے تھے کہ آپؐ کی وفات ہوگئی، آپؐ نے اسے اپنی تلوار کے ساتھ لگا رکھا تھا، آپؐ کی وفات کے بعد اس پر حضرت ابوبکرؓ نے عمل کیا یہاں تک کہ وفات پائی، پھر اس پر حضرت عمرؓ نے عمل کیا یہاں تک کہ وفات پائی۔ اس میں تحریر تھا کہ: پانچ اُونٹوں پر ایک بکری واجب ہے .....الخ۔ (آگے اس کتاب کا مفصل متن ہے جو اِختصار کے لئے یہاں ترک کیا جاتا ہے)

---

(۱) سننِ ابی داوٗد، کتاب الزکوٰۃ ج:۱ ص:۲۱۹، و جامع ترمذی، کتاب الزکوٰۃ، باب ما جاء فی زکوٰۃ الابل والغنم ج:۱ ص:۱۰۷۔

اس کتاب کا تحفظ

پھر اس کتاب کی نقل درنقل حفظ اور درس و تدریس کا سلسلہ متواتر جاری رہا، حتیٰ کہ موجودہ کتبِ حدیث مثلاً ترمذی، نسائی، ابوداؤد وغیرہ میں اس کا مفصل متن محفوظ چلا آتا ہے، ابوداؤد نے زیادہ تفصیل سے نقل کیا ہے۔[1]

مشہور محدث ابنِ شہاب[2] زُہریؒ یہ ''کتاب الصدقۃ'' درساً پڑھایا کرتے تھے، یہ کتاب ان تک کیسے پہنچی؟ اِس کی تفصیل بھی انہوں نے خود اپنے شاگردوں کو بتائی کہ:-

> یہ[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کتاب کا نسخہ ہے جو آپؐ نے صدقہ کے اَحکام میں لکھوائی تھی، اور اصل نسخہ حضرت عمرؓ کی اولاد کے پاس ہے۔ جو عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے سالمؒ نے مجھے پڑھایا تھا، میں نے اُسے بعینہٖ حفظ کرلیا تھا۔ نیز عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی نقل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے دونوں صاحبزادوں عبداللہؒ اور سالمؒ سے حاصل کی تھی، میرے پاس یہ وہی نقل ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت انسؓ کو بحرین بھیجا تو ایک کتابُ الصدقہ لکھ کر ان کو دی تھی، جس کے اقتباسات اور مختصر مضامین صحیح بخاری وغیرہ میں بار بار آتے ہیں،[4] اس میں بھی کم وبیش وہی اَحکام ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب الصدقہ میں تھے، گمان ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ کوئی الگ کتاب نہیں، بلکہ وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب الصدقہ ہے، کیونکہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ثبت تھی۔

---

(۱) دیکھئے: سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ ج:۱ ص:۲۱۸ تا ۲۲۰۔

(۲) ولادت ۵۱ھ، وفات ۱۲۵ھ۔

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ ج:۱ ص:۲۲۰۔

(۴) مثلاً دیکھئے: صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ ج:۱ ص:۱۹۴ تا ۱۹۶۔

چنانچہ مشہور محدث وفقیہ حماد بن سلمہؒ کا بیان ہے کہ[1] :-

اَخَذْتُ مِنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اَنَسٍ كِتَابًا زَعَمَ اَنَّ اَبَابَكْرٍ كَتَبَهٗ لِاَنَسٍ، وَعَلَيْهِ خَاتَمُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَعَثَهٗ مُصَدِّقًا.

ترجمہ:- میں نے حضرت انسؓ کے پوتے ثمامہ سے ایک کتاب حاصل کی، جس کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ یہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت انسؓ کو اس وقت لکھ کر دی تھی جب انہیں زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا، اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر تھی۔

ہوسکتا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ''کتاب الصدقہ'' کی نقل ہو اور اس پر بعینہٖ مہر نہ ہو، بلکہ مہر کے الفاظ ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' اس پر نقل کر دیئے گئے ہوں۔

کئی اور صحیفے

ایسی مثالیں بھی حدیث اور سیرت کی کتابوں میں بکثرت ملتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو کسی مقام کا حاکم مقرر کیا، یا کوئی اور مہم سپرد فرمائی تو اسلامی اَحکام پر مشتمل ہدایت نامہ لکھوا کر ان کو عطا فرمایا، مثلاً حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت علاء بن الحضرمیؓ کو جب ہجر کے مجوسیوں کے پاس بھیجا تو انہیں ایک کتاب لکھوا کر دی، جس میں زکوٰۃ اور عشر کے مفصل اَحکام تھے۔[2]

اِسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ اور مالک بن مرارہؓ کو اہلِ یمن کی طرف بھیجتے وقت ایک کتاب لکھوا کر عنایت فرمائی، جس میں زکوٰۃ کے علاوہ دُوسرے اسلامی اَحکام بھی درج تھے۔[3]

---

(۱) سننِ ابی داوٗد، کتاب الزکوٰۃ ج:۱ ص:۲۱۸۔

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: طبقات ج:۱ ص:۲۶۳ جزو:۳۔

(۳) ایضاً ج:۱ ص:۲۶۴ جزو:۳۔

صحیفۂ عمرو بن حزمؓ

اِسی سلسلے کی ایک اہم کڑی یہ واقعہ ہے کہ ۱۰ھ میں جب یمن کا علاقہ نجرآن فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور صحابی حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو اس کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجا، رُخصت کے وقت آپ نے حضرت اُبیّ بن کعبؓ سے ایک کتاب لکھوا کر ان کے حوالے کی،(۱) جس میں عام نصیحتوں کے علاوہ طہارت، نماز، زکوٰۃ، عشر، حج، عمرہ، جہاد، غنیمت اور جزیہ کے اَحکام، نسلی قومیت کے نظریہ کی ممانعت، دیت (خوں بہا)، بالوں کی وضع، تعلیمِ قرآن اور طرزِ حکمرانی کے متعلق ہدایات درج تھیں۔(۲)

حضرت عمرو بن حزمؓ نے اپنے فرائضِ منصبی اسی کی روشنی میں انجام دیئے، ان کے انتقال کے بعد یہ قیمتی دستاویز ان کے پوتے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزمؓ کے پاس رہی۔ ان سے مشہور امامِ حدیث ابنِ شہاب زُہریؒ نے یہ کتاب پڑھ کر اس کی نقل حاصل کی، امام زُہریؒ یہ کتاب بھی درساً پڑھایا کرتے تھے، اس طرح عہدِ رسالتؐ کی یہ اہم دستاویز بھی بعد میں تألیف ہونے والی کتبِ حدیث کا جزء بن گئی۔

خود امام زُہریؒ کا بیان ہے کہ:-

جَاءَنِیْ اَبُوْبَکْرِ بْنُ حَزْمٍ بِکِتَابٍ فِیْ رُقْعَةٍ مِّنْ اَدَمٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ:- میرے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک کتاب عمرو بن حزم کے پوتے ابوبکر لے کر آئے جو چمڑے کے ٹکڑے پر لکھی ہوئی تھی۔

ایک اور روایت میں کہتے ہیں کہ:-

---

(۱) طبقاتِ ابنِ سعد ج:۱ ص:۲۶۷ جزو:۲، وسُننِ نسائی ج:۲ ص:۲۱۸، حافظ ابنِ حجرؒ نے التلخیص (ج:۴ ص:۱۷، ۱۸) میں اس واقعے کو ''خبرِ مشہور'' قرار دیا ہے۔

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: الوثائق السیاسیۃ (نمبر۱۰۵) ص:۱۰۴ تا ۱۰۹، و دارقطنی ج:۳ ص:۲۰۹، ۲۱۰۔

قَرَأْتُ كِتَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ كَتَبَ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ حِيْنَ بَعَثَهُ عَلٰى نَجْرَانَ وَكَانَ الْكِتَابُ عِنْدَ اَبِیْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ فَكَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

هٰذَا بَيَانٌ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ .... الخ.

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو نجران بھیجتے وقت جو کتاب لکھوائی تھی، وہ میں نے پڑھی ہے، وہ ابوبکر بن حزم کے پاس تھی، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا تھا کہ: اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہدایت ہے کہ .... الخ۔ (آگے اس دستاویز کا اقتباس ہے)

امام زُہریؒ نے اپنے شاگردوں کو اس کتاب کی نقل دکھاتے ہوئے کہا:-

بَعَثَ بِهٖ مَعَ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فَقُرِأَ عَلٰى اَهْلِ الْيَمَنِ، هٰذِهٖ نُسْخَتُهٗ .... الخ.

ترجمہ:- یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزمؓ کے ساتھ بھیجی تھی، پس یہ اہلِ یمن کو پڑھ کر سنائی گئی اور یہ (میرے پاس) اسی کی نقل ہے۔[۱]

اِس کتاب کے متن کے اقتباسات اکثر کتبِ حدیث مثلاً مسندِ احمد، مؤطا امام مالک، نسائی، دارمی وغیرہ میں زکوٰۃ اور دیات کے ابواب میں متفرق طور پر آئے ہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کو کہ انہوں نے ان تمام اقتباسات کو اپنی بیش قیمت تألیف ''الوثائق السیاسیۃ'' میں مفصل حوالوں کے ساتھ یکجا کردیا ہے۔[۲]

---

(۱) مذکورہ تینوں روایات کی تفصیل کے لئے دیکھئے: سنن نسائی ج:۲ ص:۲۱۸۔

(۲) دیکھئے: نمبر ۱۰۵ ص:۱۰۴ تا ۱۰۹۔

عمرو بن حزمؓ کی اہم تالیف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس صحیفے کا اُوپر ذکر آیا ہے، حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اسے محفوظ رکھا، بلکہ ایک بڑا کام یہ کیا کہ اکیس دُوسرے نوشتے بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عاد و بنی عریض کے یہودیوں، تمیم داری، قبائل جہینہ و جذام وطی وثقیف وغیرہ کے نام لکھوائے تھے، حاصل کئے اور ان سب کی ایک کتاب تالیف کی جو عہدِ رسالتؐ کی سیاسی و سرکاری دستاویزوں کا اوّلین مجموعہ قرار دی جاسکتی ہے۔

دیبُل (سندھ) کے مشہور محدّث ابوجعفر دیبلی نے تیسری صدی ہجری میں اس تالیف کی جو روایت کی ہے، وہ اب تک محفوظ چلی آتی ہے۔

چنانچہ ابنِ طولون کی تالیف "اعلام السائلین عن کتب سیّد المرسلین" جس کا نسخہ بخطِ مؤلف دمشق کے کتب خانے "المجمع العلمی" میں محفوظ ہے، اور چھپ بھی چکا ہے، اس میں حضرت عمرو بن حزمؓ کی مذکورہ تالیف بطور ضمیمہ شامل اور محفوظ کردی گئی ہے۔ [(۱)]

نومسلم وفود کے لئے صحائف

ایسا بکثرت ہوتا تھا کہ نومسلم قبائل کے وفود یا اشخاص اسلامی تعلیمات سیکھنے کے لئے مدینہ منوّرہ آکر قیام کرتے، یہاں وہ قرآن و حدیث حفظ یاد کرتے اور وطن واپسی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبائل کے لئے اسلام کے بنیادی اَحکام لکھوا کر ان کو عطا فرمادیتے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کچھ عرصہ مدینہ منوّرہ میں قیام کے بعد جب وطن واپسی کا ارادہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ:-

اُكْتُبْ لِيْ اِلٰى قَوْمِيْ كِتَابًا. [(۲)]

---

(۱) یہ پوری تفصیل مقدمہ صحیفۂ ہمام بن مُنبّہ ص:۳۵، ۳۶ سے مأخوذ ہے۔

(۲) طبقات ج:۱ ص:۲۸۷ جزو:۳

(میری قوم کے نام مجھے ایک کتاب لکھ دیجئے)

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کو حکم دیا کہ:-

اُكْتُبْ لَهٗ يَا مُعَاوِيَةُ! اِلَى الْاَقْيَالِ الْعَبَاهِلَةِ لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ .... الخ.

ترجمہ:- اے معاویہ! تم انہیں اقیالِ عباہلہ (حضرموت کے باشندوں) کے نام لکھ دو کہ وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں .....الخ۔

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو تین دستاویزیں لکھ کر دیں، ان میں سے ایک خاص ان کے بارے میں تھی اور دو عام تھیں، ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز، زکوٰۃ اور اس کے بعض جزئی مسائل، مسلم فوجی دستوں کی امداد، شراب، سود اور کئی ایک اُمور سے متعلق اَحکام لکھوائے تھے۔[1]

وفدِ عبدالقیس کی مدینہ میں حاضری سے پہلے کا واقعہ ہے کہ اسی قبیلہ کے ایک صاحب منقذ بن حیان بغرضِ تجارت مدینہ منوّرہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی برکت سے مشرف بہ اسلام ہوگئے، واپسی کے وقت انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کتاب بھی حاصل کرلی۔ (وَمَعَهٗ كِتَابُهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ)[2] ابتداء میں تو اس کتاب کو انہوں نے لوگوں کے خوف سے چھپائے رکھا، لیکن جب ان کی کوشش سے ان کے خسر جو قبیلے کے سردار بھی تھے، مشرف بہ اسلام ہوگئے تو اپنی قوم کو یہ کتاب پڑھ کر سنائی، جس کے نتیجے میں یہ لوگ بھی مسلمان ہوگئے اور ان کا وفد مدینہ منوّرہ حاضر ہوا، یہ وہی وفدِ عبدالقیس ہے جس کا ذکر بخاری ومسلم میں خاصی تفصیل سے آیا ہے۔

اِسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل وفود کو بھی اسلامی اَحکام پر

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: الوثائق السیاسیۃ نمبر ۱۳۱ ص: ۱۲۶ تا ۱۳۰۔

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج:۱ ص:۸۸، وشرح مسلم (نووی) ج:۱ ص:۳۳۔

مشتمل صحیفے الگ الگ لکھوا کر عنایت فرمائے: ۱:- وفدِ قبیلۂ خثعم، ۲:- وفد الرہاوتین، ۳:- وفدِ ثمالۃ والحدان۔

نیز قبیلۂ باہلہ کے دو بزرگوں مطرف بن الکاہن اور نہشل بن مالک کو الگ الگ صحیفے لکھوا کر مرحمت فرمائے، یہ دونوں صحیفے بھی اسلامی اَحکام پر مشتمل تھے۔

یہ تو محض مثالیں ہیں، ورنہ طبقاتِ ابنِ سعد کے "ذکر وفادات العرب" جلدِ اوّل میں ان کی بہت مثالیں موجود ہیں۔[1]

تبلیغی خطوط

اِملاء کردہ حدیثوں ہی کی صنف میں ایک طویل فہرست ان تبلیغی اور تعلیمی خطوط کی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنی دور میں وقتاً فوقتاً لکھوا کر مختلف قبائل اور ملکوں کے سربراہوں کے نام روانہ فرمائے، یہ دعوتِ اسلام کے علاوہ دیگر فقہی ابواب کے بھی بہت سے شرعی اَحکام پر مشتمل ہیں۔

مثلاً یہ بہت مشہور واقعہ ہے اور سیرت و حدیث کی تقریباً تمام مستند[2] کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ۷ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کے چھ مشہور حکمرانوں کے نام تبلیغی خطوط روانہ فرمائے اور ان پر اپنی مہر[3] بطور دستخط ثبت فرمائی۔

جن حکمرانوں کے نام یہ خطوط بھیجے گئے تھے اور جن جن قاصدوں کے ذریعہ بھیجے گئے، ان کی تفصیل یہ ہے:-

۱:- حضرت عمرو بن اُمیۃ الضمریؓ برائے نجاشی شاہِ حبشہ (ایتھوپیا، افریقہ)

۲:- حضرت دحیۃ الکلبیؓ برائے قیصر شاہِ رُوم

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: طبقات ج:۱ ص:۲۷۰ تا ۲۸۷ و ص:۳۴۴ تا ۳۵۳ جزو:۳۔

(۲) مثلاً دیکھئے: طبقاتِ ابنِ سعد ج:۱ ص:۲۵۸ تا ۲۶۲ جزو:۳، و بخاری ج:۱ ص:۵، ص:۱۵، و مشکوٰۃ ص:۳۴۰۔

(۳) اس مہر کا مفصل ذکر پیچھے آچکا ہے۔

۳:- حضرت عبداللہ بن حذافہؓ — برائے کسریٰ شاہِ فارس (ایران، عراق وغیرہ)
۴:- حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ — برائے مقوقس حاکم اسکندریہ (مصر)
۵:- حضرت شجاع بن وہبؓ — برائے حارث بن شمر غسانی
۶:- حضرت سلیط بن عمروؓ — برائے ہوذۃ بن علی الحنفی

ان میں سے نجاشی شاہِ حبشہ کے نام آپ نے دو خط روانہ فرمائے تھے جو اس نے ہاتھی دانت کے ایک عطر دان میں محفوظ کر کے رکھ لئے تھے اور کہا تھا کہ: حبشہ اس وقت تک بخیریت رہے گا جب تک یہ دونوں خط اس ملک میں موجود ہیں۔[۱]

حیرت ناک

یہ چھ کے چھ قاصد ایک ہی دن اپنے اپنے سفر پر روانہ ہوئے اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ حضراتِ صحابہؓ جہاں جہاں بھیجے جارہے تھے اگرچہ ان ملکوں کی زبان سے ناواقف تھے، لیکن یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہی تھا کہ روانگی کے دن جب صبح ہوئی تو ان میں سے ہر ایک اس ملک کی زبان میں گفتگو کرسکتا تھا، جہاں اُسے بھیجا جارہا تھا،[۲] چنانچہ انہوں نے متعلقہ حکمرانوں کے پاس جاکر ترجمانی کے فرائض بڑی خوبی سے انجام دیئے۔

قیصر و کسریٰ وغیرہ کے نام خطوط کا ذکر صحیح بخاری میں بھی موجود ہے، اور قیصر کے نام خط کا مفصل واقعہ اور پورا متن صحیح بخاری کے بالکل شروع میں ملتا ہے۔[۳]

ان خطوط کی اصلیں

مذکورہ چھ خطوط میں سے دو کی اصلیں کافی پہلے دستیاب ہوچکی ہیں، اور ان کے عکس بعض دُوسرے والا ناموں کے عکس کے ساتھ مختلف کتابوں میں شائع ہوتے رہے ہیں، اور کراچی میں تو نجاشی اور مقوقس کے نام خطوط کے عکس مستقل پمفلٹ[۴] کی

---

(۱) طبقات ج:۱ ص:۲۵۹ جزو:۳۔
(۲) طبقات ج:۱ ص:۲۵۸، ۲۶۴ جزو:۳۔
(۳) صحیح بخاری ج:۱ ص:۵۔
(۴) اس پمفلٹ کا نام ''خطوطِ مبارک'' ہے۔

صورت میں مع ترجمہ شائع ہوئے ہیں، اس میں ان دونوں خطوط کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور خط کا عکس بھی شامل ہے جو مذکورہ چھ خطوط کے علاوہ ہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر بن سادی (بحرین) کے نام بھیجا تھا۔

ان اصلوں کی دستیابی کی مفصل رُوئیداد ڈاکٹر حمیداللہ صاحب نے ''رسولِ[۱] اکرمؐ کی سیاسی زندگی'' میں قلم بند کی ہے، ان تینوں عکسوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہرِ مبارک بھی موجود ہے۔

نئی دستیابی

ستمبر ۱۹۶۶ء میں ناچیز راقم الحروف جب اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ جنوبی افریقہ کا دورہ کر رہا تھا تو جوہانسبرگ کے ''واٹر فال اسلامک انسٹی ٹیوٹ'' کو بھی دیکھنے کا موقع ملا۔ انسٹی ٹیوٹ کے ناظم جناب مولانا ابراہیم میاں صاحب نے کتب خانہ بھی دکھایا اور ساتھ ہی ایک نہایت بیش قیمت یادگار کی زیارت کرائی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نامہ مبارک کا فوٹو تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ پرویز کے نام بھیجا تھا، یہ بالکل نئی دریافت تھی اور اس لئے تعجب انگیز بھی کہ بخاری[۲] وغیرہ کی روایات سے ثابت ہے کہ کسریٰ نے اس نامۂ مبارک کو پھاڑ دیا تھا تو پھر اس کا سالم فوٹو کیسے حاصل ہوسکا؟ مگر فوٹو میں دو لکیریں نشاندہی کرتی ہیں کہ اس کے بعض پھٹے ہوئے حصوں کو جوڑا گیا ہے، تاہم بات تشنۂ تحقیق تھی، مولانا موصوف نے یہ فوٹو ڈاکٹر صلاح الدین[۳] المنجد سے بالواسطہ یا بلاواسطہ حاصل کیا تھا۔ میری درخواست پر انہوں نے اس کی ایک فوٹو کاپی اسی وقت تیار کرا کے عنایت فرمادی، جو محفوظ ہے، مگر افسوس کہ یہ کاپی صاف نہیں آسکی، تاہم کئی کلمات اس میں بھی صاف پڑھے جاسکتے ہیں۔ حال ہی میں دیوبند کے ماہنامہ ''دارالعلوم'' کا شمارہ نمبر۴ جلد نمبر۳ (ماہِ جنوری ۱۹۶۶ء) خوش قسمتی سے مجھے مل گیا،

---

(۱) ص:۱۰۶ تا ۱۵۳۔

(۲) بخاری، کتاب العلم، باب مایذکر فی المناولۃ .....الخ ج:۱ ص:۱۵۔

(۳) موصوف عرب کے علمی حلقوں میں خاصی شہرت رکھتے ہیں اور فنِ تحریر شناسی کے ماہر ہیں۔

جس میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے خط کا فوٹو تو شائع نہیں کیا لیکن خط کی دستیابی کی مفصل رُوئیداد سپردِ قلم کی ہے، ان کا بیان ہے کہ وہ مکتوبِ گرامی ہرن کی باریک کھال پر لکھا ہوا ہے، تیسری سے دسویں سطر چاک کیا ہوا ہے اور مسٹر ہنری فرعون کے پاس پورا محفوظ ہے، ڈاکٹر صاحب عرصہ تک فنی تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ نامۂ مبارک وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ پرویز کو بھیجا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نامۂ مبارک اہلِ جرش کو بھیجا تھا، جس میں کھجور اور کشمش کی مخلوط نبیذ کے متعلق حکم بیان فرمایا گیا تھا۔ (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نامہ حضرت عبداللہ بن الحکیم رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، جس میں مردہ جانور کے متعلق حکم تحریر تھا۔ (۲)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع سے پوچھا کہ کسی کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کی دِیت (خون بہا) میں سے بیوی کو کیا دلایا؟ ضحاک بن سفیانؓ نے کھڑے ہوکر کہا: مجھے معلوم ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ مسئلہ لکھوا کر بھیجا تھا۔ (۳)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھ کر غالباً یمن سے دریافت کیا کہ کیا سبزیوں میں زکوٰۃ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریری جواب دیا کہ: سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں۔ (۴)

یہ تو چند خطوط کی تفصیل بطورِ مثال لکھ دی گئی، ورنہ تبلیغی اور تعلیمی خطوط کا انحصار صرف انہی چھ سات خطوط میں نہیں، طبقاتِ ابنِ سعد میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے خطوط کا مستقل باب ہے، جس میں ایک سو پانچ مکاتیب کے مفصل متون ذکر کئے گئے ہیں۔ یہ خطوط طبقات کی جلدِ اوّل میں صفحہ:۲۵۸ سے

---

(۱) صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۶۴، باب کراہۃ انتباذ التمر والزبیب، کتاب الاشربۃ۔

(۲) خطباتِ مدراس، از علامہ سیّد سلیمان ندوی صاحبؒ ص:۵۸ بحوالہ معجم صغیر طبرانی ص:۲۱۷۔

(۳) سننِ دارقطنی ج:۴ ص:۷۷ کتاب الفرائض والسیر حدیث نمبر:۲۷ تا ۳۲۔

(۴) خطباتِ مدراس ص:۵۹ بحوالہ دارقطنی ص:۴۵۔

صفحہ:۲۹۱ تک باریک ٹائپ کے تینتیس صفحات میں سما سکے ہیں۔ اکثر خطوط کے بارے میں یہ تفصیل بھی درج ہے کہ یہ خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس سے لکھوایا اور اس پر کون کون صحابہؓ گواہ بنے، ان میں سے بعض کا ذکر آگے بھی آئے گا۔

بلکہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا بیان ہے کہ: اس قسم کے اب تک دو ڈھائی سو خطوط محفوظ کئے جاچکے ہیں۔(۱)

طرزِ اِملاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت اپنے کاتبوں کو اِملاء کرایا کرتے تھے، مثلاً زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ(۲):-

دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یُمِل فِیْ بَعْضِ حَوَائِجِہٖ فَقَالَ: ضَعِ الْقَلَمَ عَلٰی اُذُنِکَ فَاِنَّہٗ اَذْکَرُ لِلْمُمِلِ.

ترجمہ:- میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اپنے کسی ضروری معاملے میں اِملاء کرانا چاہتے تھے، چنانچہ فرمایا: تم قلم اپنے کان پر رکھو کیونکہ یہ اِملاء کرانے والے کو یاددہانی کراتا ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اِملاء کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طریقے استعمال فرمائے ہیں:-

ا:- کبھی تو حرفاً حرفاً اِملاء کراتے -اور اکثر ایسا ہی ہوتا تھا- چنانچہ خیبر، مقنا اور حنینا کے یہودیوں کے نام معاہدے کا جو خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا اس کے بارے میں روایت ہے کہ(۳):-

---

(۱) رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی ص:۱۰۶۔

(۲) طبقاتِ ابنِ سعد ج:۲ ص:۲۵۹ جزو:۷، ومشکوٰۃ مع المرقاۃ ج:۹ ص:۶۱۔

(۳) الوثائق السیاسیۃ ص:۳۹۔

وَكَتَبَ عَلِیُّ بْنُ اَبُوْطَالِبٍ[١] بِخَطِّهٖ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُمْلِیْ عَلَيْهِ حَرْفًا حَرْفًا.

ترجمہ:- اور (یہ معاہدہ) علیؓ بن ابی طالب نے اِس طرح لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرفاً حرفاً اِملاء کرا رہے تھے۔

۲:- اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کسی خط کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضرین سے سوال فرماتے کہ: اس کا جواب کون لکھے گا؟ پھر جس کا لکھا ہوا جواب آپ کو پسند آتا اسے ہی روانہ فرمادیتے۔

مثال کے طور پر امام مالک رحمہ اللہ کا یہ بیان ملاحظہ ہو کہ[٢]:-

بَلَغَنِیْ اَنَّهٗ وَرَدَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابٌ، فَقَالَ: مَنْ يُّجِيْبُ عَنْهُ؟ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْاَرْقَمِ: اَنَا! فَاَجَابَ وَاَتٰی بِهِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْجَبَهٗ وَاَنْفَذَهٗ، وَكَانَ عُمَرُ حَاضِرًا فَاَعْجَبَهٗ ذٰلِكَ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ حَيْثُ اَصَابَ مَا اَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا وُلِّیَ اسْتَعْمَلَهٗ عَلٰی بَيْتِ الْمَالِ.

ترجمہ:- مجھے روایت پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خط آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاضرین سے) فرمایا: اس کا جواب کون دے گا؟ عبداللہ بن الارقمؓ (آپ کے کاتبِ خاص) نے عرض کیا: میں دوں گا! چنانچہ یہ لکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرما کر اسی کو نافذ فرمادیا۔ حضرت عمرؓ بھی حاضر تھے، ان کو عبداللہؓ کی یہ بات

---

(١) هٰكذا فی الاصل وقد ذكر ابن سلطان فی شرح الشفاء عن الاصمعی عن يحيیٰ بن عمر انّ قريشا كانت لا تغير الاب فی الكنية تجعله مرفوعًا فی كل وجه من الجر والنصب والرفع وقرأ تَبَّتْ يَدَآ اَبُوْلَهَبٍ. كذا فی الوثائق. (ص کب)

(٢) أسد الغابۃ ج:۳ ص:۱۱۵۔

پسند آئی کہ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے بالکل ایسا ہی جواب لکھا، چنانچہ جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے عبداللہ کو بیت المال پر مقرر فرمادیا۔

اُسلوبِ نگارش(۱)

۱:- قریش کا طریقہ تھا کہ وہ تحریروں کے آغاز میں "بِاسْمِکَ اللّٰهُمَّ" لکھا کرتے تھے، ابتدائے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی لکھتے رہے، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: "بِاسْمِ اللهِ مَجْرِهَا وَمُرْسٰهَا" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لفظ "بِسْمِ اللهِ" لکھوانے لگے، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: "قُلِ ادْعُوا اللهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى" (آپؐ کہہ دیجئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جو کہہ کر پکارو گے سو سب اسمائے حسنٰی اسی کے ہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ناموں کو جمع کرکے "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" لکھوانا شروع کردیا، حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی: "اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" جس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ بلقیس کے نام اپنے خط کا آغاز "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" سے کیا تھا، چنانچہ اس کے بعد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معمول یہی ہوگیا۔

۲:- اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا، اور پھر مرسل الیہ کا نام ہوتا تھا، اور جب صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھتے تو پہلے خط لکھنے والے کا اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی ہوتا تھا۔

۳:- اِبتدائے اسلام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرسل الیہ کو سلام نہیں لکھواتے تھے، سلام کا حکم نازل ہونے کے بعد سلام بھی لکھوانے لگے، پیچھے جن چھ سات خطوط کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں اور اس کے بعد کے تمام خطوط میں "سلام"

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے:- طبقاتِ ابنِ سعد ج:۱ جزو:۳ ص: ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۷۵۔ ومشکوٰۃ مع المرقاۃ ج:۹ ص:۶۰، کتاب الآداب، باب السلام۔

موجود ہے، البتہ اگر خط کسی غیر مسلم کے نام ہوتا تو "اَلسَّـــلَامُ عَلَیْکَ" کی بجائے "سَـلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی" لکھا جاتا تھا، جس کے معنی ہیں: ''سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔''

۴:- بسا اوقات سلام کے بعد اللہ کی حمد و ثنا ہوتی تھی اور اس کے بعد لفظ "اَمَّا بَعْدُ" ہوتا اور اس کے بعد اصل مضمون شروع ہوتا تھا۔

۵:- مضمون کا اختتام کبھی "وَالسَّـلَامُ" پر ہوتا اور کبھی "وَاللہُ الْمُسْتَعَانُ" پر۔

۶:- سب سے آخر میں مہرِ مبارک ثبت کردی جاتی۔

۷:- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ہر اہم تحریر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ میں سے کسی ایک یا زائد اشخاص کو گواہ بنالیتے تھے، چنانچہ طبقاتِ ابنِ سعد میں گواہوں کے نام بھی دیئے گئے ہیں۔

سیاسی و سرکاری دستاویزیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خود اِملاء کردہ حدیثوں ہی کی ایک صنف میں ایک طویل سلسلہ ان سیاسی و سرکاری وثیقوں کا ہے جو آپ نے ۲۳ سال کے عرصے میں وقتاً فوقتاً لکھوائے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب تحریریں بھی ''حدیث'' ہی کی تعریف میں داخل ہیں، اور حدیث ہی کی کتابوں میں غزوات، وفود، مکتوبات اور جہاد وغیرہ کے ابواب میں منقول ہوتی چلی آرہی ہیں اور تقریباً تمام فقہی ابواب کے اَحکام متفرق طور پر ان میں بھی پائے جاتے ہیں، تفصیل کا تو موقع نہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱:- جنگی ہدایات

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات فوجی دستوں کے امیروں کو بوقتِ روانگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگی نوعیت کی ہدایات بھی لکھوادیا کرتے تھے۔

بخاری کی روایت ہے کہ[1]:-

---

(۱) صحیح بخاری، باب مایذکر فی المناولۃ، کتاب العلم ج:۱ ص:۱۵۔

كَتَبَ لِاَمِيْرِ السَّرِيَّةِ كِتَابًا وَقَالَ: لَا تَقْرَئْهُ حَتّٰى تَبْلُغَ مَكَانَ كَذَا وَكَذَا. فَلَمَّا بَلَغَ ذٰلِكَ الْمَكَان قَرَأَهُ عَلَى النَّاسِ وَاَخْبَرَهُمْ بِأَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوجی دستے کے امیر کو ایک خط لکھ کر (لکھوا کر) دیا اور کہا کہ: فلاں فلاں مقام پر پہنچنے سے پہلے اسے نہ پڑھنا۔ پس امیرِ دستہ نے اس مقام پر پہنچ کر وہ خط پڑھا اور ساتھیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطلاع دی۔

یہ امیرِ دستہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تھے، اور اس حکم نامے میں لکھا تھا کہ:-

اِذَا نَظَرْتَ فِيْ كِتَابِيْ هٰذَا فَامْضِ حَتّٰى تَنْزِلَ نَخْلَةَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ فَتَرَصَّدْ بِهَا قُرَيْشًا وَتُعْلِمْ لَنَا مِنْ اَخْبَارِهِمْ.

ترجمہ:- یہ حکم نامہ پڑھتے ہی آگے بڑھو اور مکہ اور طائف کے درمیان مقامِ نخلہ پر ٹھہر کر قریش کی گھات میں لگ جاؤ اور ان کے حالات کی ہمیں اطلاع دو۔

واقدی کی روایت ہے کہ قریش کا ایک قافلہ طائف سے سامانِ تجارت لے کر مکہ آرہا تھا، یہ سب انتظام اس کے لئے کیا گیا تھا،[۱] یہ واقعہ غزوۂ بدر سے پہلے ۲ھ کا ہے۔[۲]

۲:- عدالتی فیصلے

بعض عدالتی کارروائیاں اور فیصلے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم بند کرائے۔

---

(۱) الوثائق السیاسیۃ ص:۸ نمبر۳۔

(۲) فتح الباری ج:۱ ص:۱۴۳۔

مثلاً حضرت ابنِ عباسؓ کی روایت[1] ہے کہ خیبر میں جو یہودیوں کی بستی تھی، ایک صحابی مقتول پائے گئے، ورثائے مقتول نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استغاثہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (''اِظہارِ وجوہ'' کا) ایک پروانہ یہودیوں کو بھیجا جس میں لکھا تھا کہ:-

هٰذَا قَتِيلٌ بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ، فَمَا الَّذِىْ يُخْرِجُهُ عَنْكُمْ؟

ترجمہ:- یہ مقتول تمہارے درمیان پایا گیا ہے، اس لئے جواب دو کہ اس سے تم کیسے عہد برآ ہوسکو گے؟

یہودیوں نے جواب دیا:-

فَكَتَبُوْا اِلَيْهِ: اَنَّ مِثْلَ هٰذِهِ الْحَادِثَةِ وَقَعَتْ فِىْ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى اَمْرًا فَاِنْ كُنْتَ نَبِيًّا فَافْعَلْ ذٰلِكَ.

ترجمہ:- یہودیوں نے لکھا کہ: اس جیسا واقعہ بنی اسرائیل میں پیش آیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر ایک حکم نازل کیا تھا، پس اگر تم نبی ہو تو وہی حکم جاری کردو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:-

فَكَتَبَ اِلَيْهِمْ: اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَرَانِىْ اَنْ اَخْتَارَ سَبْعِيْنَ رَجُلًا فَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ ''مَا قَتَلْنَا وَلَا نَعْلَمُ لَهٗ قَاتِلًا'' ثُمَّ يُؤَدُّوْنَ الدِّيَةَ.

ترجمہ:- پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکھا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ میں (تم میں سے) ستر مردوں کو چنوں جو قسم کھائیں کہ ''بخدا نہ ہم نے قتل کیا اور نہ ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے۔'' پھر ''دیت'' ادا کریں۔

---

(۱) حاشیہ سننِ ابی داؤد، کتاب الدیات، باب ترک القود بالقسامۃ ج:۲ ص:۶۲۲، وفتح القدیر شرحِ ہدایہ ج:۸ ص:۳۸۷۔

اسی واقعے کو مسلم اور ابوداؤد نے بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ [1]

ایک عدالتی فیصلہ طبقاتِ ابنِ سعد میں بھی ملتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قلم بند کرایا تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ حضرت وائل بن حجرؓ اور ایک شخص اشعث بن قیس کے درمیان ایک وادی کے بارے میں نزاع تھا، حضرت وائل بن حجرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دعویٰ دائر کیا اور ان کے حق میں حمیر اور حضرموت کے لوگوں نے گواہی دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وائل بن حجرؓ کے حق میں فیصلہ فرمادیا اور فیصلے کی دستاویز لکھوا کر ان کے حوالے کی، جس کے ابتدائی جملے یہ ہیں:-

هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ لِوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، قِيْلِ حَضْرَمُوْتَ، وَذٰلِكَ اَنَّكَ اَسْلَمْتَ وَجَعَلْتُ لَكَ مَا فِيْ يَدَيْكَ مِنَ الْاَرْضِيْنَ وَالْحُصُوْنِ ..... الخ.

ترجمہ:- یہ تحریر محمد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے حضرموت کے رئیس وائل بن حجر کے لئے ہے، اور وہ یہ کہ تم مسلمان ہوچکے ہو، جو اراضی اور قلعے تمہارے قبضے میں ہیں، میں نے ان سب کا مالک تمہیں قرار دیا ہے.....الخ۔

آخر میں لکھا تھا:-

وَجَعَلْتُ لَكَ اَنْ لَّا تُظْلَمَ فِيْهَا مَا قَامَ الدِّيْنُ. وَالنَّبِيُّ وَالْمُؤْمِنُوْنَ عَلَيْهِ اَنْصَارٌ.

ترجمہ:- اور میں تمہارے حق میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ان جائیدادوں کے بارے میں تم پر کوئی زیادتی نہ کی جائے جب تک دین قائم رہے، اور نبی اور مؤمنین اس سلسلے میں تمہارے مددگار ہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم ج:۲ ص:۵۶، کتاب القسامۃ، سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، باب القسامۃ ج:۲ ص:۶۲۱، وباب ترک القود بالقسامۃ ص:۶۲۲۔

۳:- تحریری معاہدے

ہجرتِ مدینہ کے فوراً بعد مختلف قبائلِ عرب اور دُوسری اقوام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، ''دُستورِ[1] مملکت'' جو ہجرت کے صرف پانچ ماہ بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ فرمایا تھا، وہ بھی ''معاہدات'' ہی کے سلسلے کی اہم کڑی ہے، پھر معاہدات کا یہ سلسلہ روز افزوں ہوتا گیا، ان میں سے بیشتر کی تفصیلات آج تک محفوظ چلی آتی ہیں اور برابر یہ ذکر ملتا ہے کہ یہ باضابطہ قلم بند کئے جاتے رہے۔[2]

مثلاً صلح حدیبیہ کا معاہدہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشِ مکہ سے ۶ھ کے اواخر میں کیا تھا، اسے ضبطِ تحریر میں لائے جانے کا واقعہ تو بہت مشہور ہے اور سیرت و حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں اس کی تفصیلات ملتی ہیں،[3] اور بھی درجنوں مثالیں ہیں[4] جو یہاں بغرضِ اختصار ترک کی جارہی ہیں۔

ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کی بیش بہا تالیف ''الوثائق السیاسیۃ'' میں ایسے تحریری معاہدات کی بہت بڑی تعداد جمع کردی گئی ہے جو اسلام کے بین الاقوامی قوانین کے لئے ایک اہم ذخیرۂ احادیث کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۴:- جاگیروں کے ملکیت نامے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے لوگوں کو جاگیریں عطا فرمائیں

---

(۱) اس کا ذکر قدرے تفصیل سے اسی مقالے کے شروع میں ہوچکا ہے۔

(۲) ان کی تین مثالیں ضمنی طور پر پیچھے بھی گزر چکی ہیں۔ ایک ''تحریری دستورِ مملکت'' کے عنوان میں، دُوسری ''ناخن کا نشان'' کے عنوان میں، اور تیسری ''طرزِ اِملاء'' کے عنوان میں۔

(۳) مثلاً دیکھئے: صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۰۴، باب صلح الحدیبیۃ کتاب الجہاد والسیر۔

(۴) مثلاً صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلہ کے بادشاہ کو اس کے علاقے کی حکومت پر برقرار رکھنے کا فرمان جاری فرمایا۔ دیکھئے باب اذا وادع الامام ملک القریۃ، کتاب الجہاد ج:۱ ص:۴۴۸۔ وصحیح مسلم ج:۲ ص:۲۴۶، ۲۴۷، کتاب الفضائل، باب فی معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور ان کے ملکیت نامے بھی تحریر کرا کے ان کو دیئے۔ سیرت و حدیث کی مستند کتابوں اور خصوصیت سے طبقاتِ ابنِ سعد میں ان کی درجنوں مثالیں ملتی ہیں۔ (۱)

مثلاً حضرت زبیر بن العوامؓ کو ایک بڑی جاگیر عطا فرماتے وقت یہ دستاویز لکھوا کر دی (۲):-

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ

هٰذَا مَا اَعۡطٰى مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللهِ الزُّبَيۡرَ اَعۡطَاهُ سَوَارِقَ كُلَّهٗ اَعۡلَاهُ وَاَسۡفَلَهٗ مَا بَيۡنَ مَوۡرِعِ الۡقَرۡيَةِ اِلٰى مَوۡقَتَ اِلٰى حِيۡنِ الۡمَلۡحَمَةِ لَا يُحَاقُّهٗ فِيۡهَا اَحَدٌ.

وَكَتَبَ عَلِيٌّ

ترجمہ:- بسم اللہ الرحمٰن۔ یہ دستاویز محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے زبیر کو دی ہے، ان کو سوارق (کا علاقہ) پورا کا پورا بالائی حصے سے زیریں حصے تک مورع گاؤں سے موقت (گاؤں) تک دیا ہے، ان کے مقابلے میں کوئی اپنا حق اس میں نہ جتلائے۔ کتبہٗ علی

۵:- امان نامے

بہت سے افراد اور خاندانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''امان نامے'' لکھوا کر عطا فرمائے، جن کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ جس جس کے لئے ان میں امان لکھی ہو، پوری اسلامی حکومت میں ان کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی جائے گی۔ یہ امان نامے بھی سیرت و حدیث کے کتابوں میں اس کثرت سے نقل ہوتے آرہے ہیں کہ اگر کہا جائے کہ ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی ہوگی تو شاید مبالغہ نہ ہو۔

دو مثالیں ملاحظہ ہوں:-

---

(۱) مثلاً دیکھئے: طبقات ج:۱ ص:۲۶۷ تا ۲۸۵، ۳۰۳ جزو:۳۔

(۲) الوثائق السیاسیۃ ص:۱۹۲ نمبر ۲۲۹۔

۱:- كَتَبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَنِيْ زُرْعَةَ وَبَنِي الرَّبْعَة مِنْ جُهَيْنَةَ اَنَّهُمْ اٰمِنُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ وَاَنَّ لَهُمُ النَّصْرَ عَلٰى مَنْ ظَلَمَهُمْ اَوْ حَارَبَهُمْ- اِلَّا فِي الدِّيْنِ وَالْاَهْلِ - وَلِاَهْلِ بَادِيَتِهِمْ مَنْ بَرَّ مِنْهُمْ وَاتَّقٰى مَا لِحَاضِرِهِمْ، وَاللهُ الْمُسْتَعَان.

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی زُرعہ اور قبیلہ جُہینہ کے ایک خاندان بنی ربعہ کے لئے لکھا: ان کے جان و مال محفوظ ہیں، اور ان کو ہر اس کے خلاف مدد دی جائے گی جو ان پر ظلم کرے یا ان سے جنگ کرے- سوائے دین اور اہل کے- اور اُن کے دیہاتوں میں سے جو لوگ نیک اور تقویٰ اختیار کریں، ان کے لئے بھی وہی مراعات ہیں جو اُن کے شہریوں کے لئے ہیں۔ واللہ المستعان۔ (۱)

۲:- قَالَ الْحَازِمِي: كَانَ اَهْلُ جَرْبَا يَهُوْدَ، كَتَبَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَمَانَ.

ترجمہ:- حازمی کہتے ہیں کہ: اہلِ جرؔبا یہودی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے امان تحریر فرمادی تھی۔ (۲)

۶:- بیع نامے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیمتی اشیاء کی خرید وفروخت کے وقت اس کی دستاویز یعنی بیع نامے بھی لکھوایا کرتے تھے، اس کی مثال میں ترمذی (۳) نے عبدالمجید بن وہب کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:-

---

(۱) طبقاتِ ابنِ سعد ج:۱ ص:۲۷۰ جزو:۳۔ مزید بہت سی مثالوں کے لئے دیکھئے: طبقاتِ ابنِ سعد کا باب ''ذکر بعثۃ رسول اللہ الرسل بکتبہٖ'' و باب ''ذکر وفادات العرب'' ج:۱ جزو:۳۔

(۲) شرح نووی علیہ صحیح مسلم ج:۲ ص:۵۰۔

(۳) جامع ترمذی، ابواب البیوع، باب ما جاء فی کتابۃ الشروط ج:۱ ص:۱۸۰۔

مجھ سے العداء بن خالد (رضی اللہ عنہ) نے پوچھا کہ: کیا میں تم کو ایک دستاویز نہ پڑھواؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے واسطے لکھی تھی؟ میں نے کہا: ضرور! تو حضرت العداء نے مجھے ایک دستاویز دکھائی (جس میں تحریر تھا) کہ:-

هٰذَا مَا اشْتَرَى الْعَدَّاءُ ابْنُ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اِشْتَرٰى مِنْهُ عَبْدًا اَوْ اَمَةً لَا دَاءَ وَلَا غَائِلَةَ وَلَا خِبْثَةَ بَيْعُ الْمُسْلِمِ الْمُسْلِمَ.

(رواه الترمذی)

ترجمہ:- یہ دستاویز ہے اس چیز کی جو العداء بن خالد بن ہوذہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خریدی ہے۔ انہوں نے آپ سے ایک غلام (یا باندی) کو خریدا ہے، جس میں نہ کوئی بیماری ہے، نہ ایسی کوئی بات ہے جو مال کو برباد کرنے والی ہو اور نہ کوئی طبعی خباثت ہے، یہ ایسی ہی بیع ہے جیسی ایک مسلمان کی بیع دُوسرے مسلمان کے ساتھ ہوتی ہے۔

۷:- وقف نامے

معلوم ہوتا ہے کہ زمینوں کے وقف نامے لکھنے کا رواج بھی عہدِ رسالتؐ میں ہو چکا تھا۔ صحیح مسلم میں ایک روایت ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خیبر کی ایک عمدہ زمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق مشورہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مشورہ دیا کہ اگر چاہیں تو اسے اللہ کے راستے میں وقف کردیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ زمین وقف فرمادی۔ وقف کی جو شرائط اور مصارف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کئے ان کی عبارت صحیح مسلم میں اس طرح نقل کی گئی ہے:-

اَنَّهٗ لَا يُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا تُبَاعُ وَلَا تُوْرَثُ وَلَا تُوْهَبُ. قَالَ:

فَتَصَدَّقَ عُمَرُ فِي الْفُقَرَاءِ وَفِي الْقُرْبٰى وَفِي الرِّقَابِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالضَّيْفِ، وَلَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وُلِّيَهَا اَنْ يَّأْكُلَ بِالْمَعْرُوْفِ أَوْ يُطْعِمَ صَدِيْقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيْهِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- کہ یہ رقبۂ زمین نہ فروخت کیا جاسکے گا، نہ میراث میں تقسیم ہوگا، نہ ہبہ میں کسی کو دیا جائے گا۔ راوی کہتے ہیں کہ: حضرت عمرؓ نے یہ زمین فقراء، رشتہ داروں، غلاموں، مجاہدوں، مسافروں اور مہمانوں کے لئے وقف کی، اور صراحت کردی کہ جو شخص اس زمین کا متولّی ہو اس کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اس زمین کی پیداوار رواج کے مطابق خود کھائے یا کسی دوست کو کھلائے، اس طرح کہ اس سے حاصل شدہ مال اپنے لئے جمع نہ کرے۔

اِس حدیث کے راوی ابنِ عون فرماتے ہیں کہ[1]:-

اَنْبَأَنِيْ مَنْ قَرَأَ هٰذَا الْكِتَابَ.

ترجمہ:- مجھے اس شخص نے بتایا جس نے یہ کتاب ''وقف نامہ'' خود پڑھا ہے۔

اَحادیثِ نبویہ کا تحفظ

یہاں ہمارا اصل موضوعِ بحث ''تحفظِ حدیث'' نہیں ہے، اس لئے ہم ان تمام اسباب و ذرائع کا جائزہ نہیں لے رہے جن کی بنیاد پر احادیثِ نبویہ کی حفاظت کا عظیم الشان کارنامہ سرانجام پایا، لہٰذا اس مقالے سے یہ سمجھنا صحیح نہ ہوگا کہ عہدِ رسالتؐ

---

(۱) صحیح مسلم ج:۲ ص:۴۱ باب الوقف۔ دارقطنی میں اس ''وقف نامے'' کی زیادہ تفصیلات ملتی ہیں، اسی کی بعض روایات سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا بنیادی مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا تھا، حضرت عمرؓ نے اسی کی روشنی میں باقی تفصیلات لکھی تھیں۔ دیکھئے: سنن دارقطنی ج:۴ ص:۱۹۳ کتاب الاحباس، باب کیف یکتب الحبس، حدیث نمبر:۱۸۔

یا کسی بھی زمانے میں حفاظتِ حدیث کے لئے صرف کتابت پر اکتفاء کیا گیا ہے، درحقیقت کتابتِ حدیث تو ان اسباب و ذرائع میں سے صرف ایک ہے جو حفاظتِ حدیث کے لئے عہدِ رسالتؐ اور قرونِ مابعد میں استعمال کیے گئے، بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ حفاظتِ حدیث کے مندرجہ ذیل اسباب کو پیشِ نظر رکھا جائے تو بلاخوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ:-

> اگر بالفرض عہدِ رسالتؐ اور عہدِ صحابہؓ میں ایک حدیث بھی نہ لکھی جاتی تو احادیث کی وثاقت و حفاظت پر بھی اتنی ہی مستحکم اور ناقابلِ انکار ہوتی جتنی اب ہے۔

مختصراً ہم اس کے چند موٹے موٹے اسباب نمبروار پیش کرتے ہیں۔

سرسری اشارے

۱:- (الف) قرآنِ حکیم نے حدیث کو قرآن کی تفسیر قرار دیا، ارشاد ہے:-

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ.(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قرآن کی تفسیر بتائیں۔

ظاہر ہے کہ یہ تفسیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی شکل میں ہو یا افعال کی شکل میں، بہرحال ''حدیث'' ہی تھی۔

(ب) قرآنِ حکیم کے اکثر اَحکام پر عمل بغیر حدیث کے ممکن نہیں، کیونکہ قرآن نے ان اَحکام کی تفصیل نہیں بتائی، حتیٰ کہ نماز کی رکعتوں کی تعداد اور اَرکانِ نماز کی باہم ترتیب بھی قرآنِ حکیم میں نہیں بتائی گئی، یہ سب تفصیلات ''حدیث'' نے بیان کیں۔

مذکورہ دونوں اُمور اس بات کی کافی ضمانت ہیں کہ جب تک:-

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ.

ترجمہ:- ہم نے ہی قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت

---

(۱) اِس مضمون کی اور بھی متعدّد آیات ہیں۔ (رفیع)

کرنے والے ہیں۔

کے وعدے کے مطابق قرآن محفوظ ہے، اس وقت تک احادیث بھی محفوظ رہیں گی، ورنہ قرآن بغیر تفسیر کے رہ جائے گا، جس کے باعث اس پر عمل ممکن نہ رہے گا۔

۲:- قرآنِ حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اَحکام کی اطاعت قیامت تک کے لئے فرض کی ہے، ارشاد ہے:-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ. (النساء:۵۹)

ترجمہ:- اے ایمان والو! تم حکم مانو اللہ کا، اور حکم مانو رسولؐ کا، اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں۔

نیز ارشاد ہے:-

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء:۸۰)

ترجمہ:- جس نے رسولؐ کی اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔

دُوسری جگہ ارشاد ہے:-

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (الحشر:۷)

ترجمہ:- رسولؐ جو تمہیں دے وہ لے لو، اور جس سے روکے اس سے رُک جاؤ۔[1]

اور یہ اطاعت احادیث کی حفاظت کے بغیر ممکن نہیں۔

۳:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث دُوسروں تک پہنچانے کی بہت تاکید فرمائی:-

لِیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ.[2]

(جو حاضر ہے وہ غائب تک پہنچادے)

---

(۱) اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ (رفیع)

(۲) صحیح مسلم، کتاب القسامۃ، باب تغلیظ تحریم الدماء....الخ۔ ج:۲ ص:۶۰، وکنز العمال ج:۳ ص:۶۲ بحوالہ ابنِ عساکر وابویعلیٰ۔

نیز فرمایا:-

نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَیْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ.[1]

ترجمہ:- اللہ اس شخص کو شاداب رکھے جس نے ہم سے کچھ سن کر لوگوں تک اسی طرح پہنچادیا جیسا سنا تھا۔

صحابہ کرامؓ کی اطاعت شعاری سامنے رکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اس حکم کی تعمیل میں کیا کیا کوششیں نہ کی ہوں گی۔

۴:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کی روایت میں بے احتیاطی کو بدترین جرم قرار دیا ہے، ارشاد ہے[2]:-

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ:- جس نے میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کی، وہ جہنم کو اپنا ٹھکانا سمجھ لے۔

۵:- صحابہ کرامؓ کی بہت بڑی جماعت جو اصحابِ صفہ کہلاتی ہے، ان کا قرآن و حدیث حفظ یاد کرنے کے علاوہ کوئی اور مشغلہ ہی نہ تھا، ان حضرات کی کل تعداد جو مختلف زمانوں میں صفہ میں رہی، چار سو تک[3] بیان کی گئی ہے، اس کے بعد سے آج تک ہر زمانے میں ہزاروں، لاکھوں علماء کا مشغلہ انہی احادیثِ نبویہ کی تدریس و تبلیغ چلا آتا ہے۔

۶:- صحابہ کرامؓ اور محدثین کے حیرت ناک حافظے،[4] ان کا علمی ذوق و

---

(۱) مشکوٰۃ، کتاب العلم ص:۳۵۔

(۲) مقدمہ صحیح مسلم ج:۱ ص:۷۔ یہ حدیث متواتر ہے۔

(۳) مقدمہ صحیفۂ ہمام بن مُنبّہ ص:۱۸، بحوالہ مسندِ احمد۔

(۴) عربوں کو اپنے حافظے پر اتنا اعتماد تھا کہ کسی واقعے کو حفظ یاد کرنے کے لئے کتابت سے مدد لینا معیوب سمجھا جاتا تھا، لوگ اس کو اپنے حافظے کی کمزوری کا اعلان خیال کرتے تھے، اس لئے کوئی چیز تحریر بھی کرلیتے تو اُس کو چھپائے رکھتے تھے۔ (السنّۃ قبل التدوین ص:۲۹۶ بحوالہ کتاب الاغانی)

شوق، احادیث سے ان کا لگاؤ، اور اس سلسلے میں ان کی غایت درجہ احتیاط، یہ سب چیزیں تاریخ کی ناقابلِ انکار حقیقتیں ہیں جن کی بنیاد پر تدوینِ حدیث کے مختلف مراحل انجام پائے۔

۷:- ایک بات جو بہت اہم ہے، وہ یہ کہ صحابہؓ اور بعد کے محدثینؒ نے احادیث کی تعلیمات کو صرف رٹ ہی نہیں لیا تھا، بلکہ ان کی عملی تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے، اور صحابہؓ سے تابعینؒ نے، تابعینؒ سے تبع تابعینؒ نے حاصل کرکے ان پر اپنے نظامِ زندگی کی تعمیر کی تھی، اپنی زندگی کے ہر شعبے میں ان تعلیمات کو رچایا بسایا تھا۔

۸:- فقہِ اسلامی کی تدوین ایک مستقل فن کی حیثیت سے تو دُوسری صدی ہجری کے اَوائل میں ہوئی، اس سے پہلے اسلامی حکومت کے تمام قوانین اور نظامِ سلطنت کا مدار صرف احادیث تھیں۔ صرف رٹے ہوئے جملوں کو بھول جانے کا احتمال ہوسکتا ہے، لیکن احادیثِ نبویہ پر عظیم اسلامی حکومت اور مسلمانوں کا پورا معاشرہ صدیوں تک چلتا رہا، پھر ان احادیث کے بارے میں یہ تصوّر کیسے کیا جاسکتا ہے کہ وہ طاقِ نسیاں میں رکھ دی گئی تھیں؟

۹:- محدثین نے احادیث کی صحت کو جانچنے کے لئے جو معیار مقرر کیا، اس کے اُصول وضوابط کی جس احتیاط کے ساتھ پابندی کی اور روایتِ حدیث کے لئے جن کڑی شرطوں کو اپنے اُوپر لازم کیا، ان کی تفصیلات ''اُصولِ حدیث'' میں دیکھی جاسکتی ہیں، یہ بھی احادیث کی حفاظت کی بہت بڑی ضمانت ہیں۔

یہ چند اشارے جملۂ معترضہ کے طور پر قلم برداشتہ لکھ دیئے گئے، ورنہ اس مقالے میں صرف ''عہدِ رسالتؐ وعہدِ صحابہؓ کی تحریری وکتابی خدمات'' کا جائزہ لینا مقصود ہے، کیونکہ بعض حلقوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ عہدِ رسالتؐ وعہدِ صحابہؓ میں کتابتِ حدیث کا کام نہیں ہوا، یا ہوا تو اتنا کم کہ نہ ہونے کے برابر ہے، اِس لئے پچھلے صفحات میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ کتابت پر تحفظِ حدیث کا مدار نہ ہونے کے باوجود بھی کتابتِ حدیث کا کام کتنے بڑے پیمانے پر خود عہدِ رسالتؐ ہی میں

انجام پاچکا تھا، اختصار کی خاطر ہم نے اس کارنامے کے صرف تعارف اور مثالوں پر اکتفا کیا ہے، ورنہ اگر اس پورے ذخیرۂ احادیث کو علیحدہ کتابی شکل میں جمع کیا جائے جو عہدِ رسالتؐ میں قلم بند ہوچکا تھا تو یقیناً صحیح بخاری سے زیادہ ضخیم کتابیں تیار ہوجائیں گی۔ اور یہ دعویٰ محض خوش اعتقادی پر مبنی نہیں، بلکہ اس سلسلے کا جو کثیر مواد خود راقم الحروف کی نظر سے گزرا ہے، اس کے پیشِ نظر ہی یہ نتیجہ نکالا جاسکا ہے، اور پچھلے صفحات کے مطالعہ کے بعد قارئین بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہوں گے۔

ممانعتِ کتابت کی حقیقت

یہ بیان کئے بغیر بحث تشنہ رہے گی کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثیں لکھنے سے منع فرمایا تھا، مثلاً صحیح مسلم[1] میں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

لَا تَكْتُبُوْا عَنِّيْ، وَمَنْ كَتَبَ عَنِّيْ غَيْرَ الْقُرْاٰنِ فَلْيَمْحُهُ، حَدِّثُوْا عَنِّيْ وَلَا حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ:- میری حدیث نہ لکھو، اور جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ اور لکھ لیا ہے وہ اسے مٹادے، میری حدیث روایت کیا کرو، اس میں کوئی حرج نہیں، مگر جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ جہنم کو اپنا ٹھکانا سمجھ لے۔

انہی کی ایک روایت ترمذیؒ[2] میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:-

ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتابت کی اجازت چاہی تو آپ نے ہمیں اجازت نہیں دی۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب التثبت فی الحدیث ج:۲ ص:۴۱۴۔ تقریباً یہی مضمون لفظی فرق کے ساتھ مسندِ احمد میں بھی ہے۔

(۲) جامع ترمذی ج:۲ ص:۱۰۶۔

اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی مسندِ احمد میں مروی ہے۔[1]

بعض لوگوں نے ان احادیث کے پسِ منظر اور سیاق و سباق سے قطع نظر کرکے یہ غل مچا رکھا ہے کہ ''عہدِ رسالتؐ اور عہدِ صحابہؓ میں احادیث قلم بند نہیں کی گئیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا تھا۔'' مگر یہ شور کرتے وقت یہ لوگ ان تمام احادیث اور تاریخی شہادتوں کو نظرانداز کرجاتے ہیں جو پچھلے اوراق میں مستند کتبِ حدیث سے نقل کی جاچکی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے کا نہ صرف حکم دیا، بلکہ اہتمامِ بلیغ فرماکر احادیث کا بڑا ذخیرہ خود اپنے سامنے لکھوایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے عہدِ رسالتؐ ہی میں احادیث کے کئی ضخیم مجموعے قلم بند ہوئے، خود حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جن کی روایت ممانعتِ کتابت کے بارے میں ابھی ذکر کی گئی، قارئین اسی مقالے کے پچھلے صفحات میں دیکھ چکے ہیں کہ وہ کتابتِ حدیث کے کام میں کتنے پیش پیش تھے۔

ممانعتِ کتابت کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کی ہے،[2] لیکن ان کا عمل آگے عہدِ صحابہؓ کے بیان میں معلوم ہوگا کہ انہوں نے بھی بالآخر اپنی تمام مرویات قلم بند کرلی تھیں، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی ممانعتِ کتابت کے عموم پر عمل نہیں فرمایا، وہ خود فرماتے ہیں[3] کہ:-

كُنَّا لَا نَكْتُبُ اِلَّا الْقُرْاٰنَ وَالتَّشَهُّدَ.

ہم قرآن اور تشہد کے سوا کچھ نہ لکھتے تھے۔

معلوم ہوا کہ تشہد جو حدیث ہی کے ذریعہ اُمت کو ملا ہے، وہ انہوں نے بھی لکھا تھا۔

ان تمام شواہد کو سامنے رکھتے ہوئے یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت ابوسعید

---

(۱) دیکھئے: مسندِ احمد بن حنبلؒ کی تبویب ''الفتح الربانی'' ج:۱ ص:۱۷۲، ومسندِ احمد ج:۵ ص:۱۸۲۔

(۲) السنّة قبل التدوين ص:۳۰۳، بحواله تقييد العلم للخطيب.

(۳) حوالۂ بالا۔

خدری، زید بن ثابت اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایت کردہ ممانعتِ کتابت کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ عہدِ رسالتؐ میں کتابتِ حدیث مطلقاً ممنوع تھی، یہی وجہ ہے کہ اگرچہ بعض صحابہؓ و تابعینؒ کو کتابتِ حدیث میں آخر تک تردُّد رہا، لیکن بعد میں اس کے جائز بلکہ پسندیدہ ہونے پر اُمت کا اجماع ہوگیا۔(۱)

لہٰذا اس کے بغیر چارہ نہیں کہ اس حدیث کو عہدِ رسالتؐ کے پورے تاریخی پسِ منظر کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے، چنانچہ اس کی تفسیر میں پچھلے تمام محدثین مفصل کلام کرتے چلے آئے ہیں، اُردو میں بھی اس پر مفصل بحثیں آچکی ہیں۔(۲)

اس لئے یہاں تفصیل کی تو ضرورت نہیں، البتہ اِس سلسلے میں علماء نے اب تک جو کچھ کہا ہے، اس میں سے بعض کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

بعض علمائے حدیث نے ممانعتِ کتابت کی روایت میں یہ توجیہ بیان کی ہے کہ یہ ممانعت ابتدائے اسلام (مدنی زندگی کے ابتدائی دور) میں ہوئی ہوگی، جبکہ لوگ قرآنی اُسلوب کے ایسے عادی نہیں ہوئے تھے کہ ایک ہی نظر میں قرآن اور غیرِ قرآن میں تمیز کرسکیں، قرآن کی طرح اس وقت احادیث بھی لکھی جاتیں تو قرآن و حدیث کے خلط ملط ہوجانے کا اندیشہ تھا، بعد میں جب قرآنی اُسلوب نے دِلوں میں گھر کرلیا اور یہ خطرہ جاتا رہا تو ممانعت منسوخ کردی گئی، لہٰذا جن احادیث میں کتابتِ حدیث کا حکم دیا گیا ہے، وہ ممانعت کی حدیثوں کے لئے ناسخ ہیں۔(۳)

اِس توجیہ پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اس کے برعکس بھی تو ہوسکتا ہے کہ کتابت کی اجازت ابتدائے اسلام میں ہو اور بعد میں یہ اجازت، ممانعت کی حدیث سے منسوخ ہوگئی ہو؟

اس سوال کا جواب واضح ہے کہ اسی مقالے میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ

---

(۱) التقریب والتیسیر مع تدریب الراوی ص:۲۸۵، وحاشیہ جامع ترمذی ص:۱۰۷۔

(۲) مثلاً مولانا مناظر احسن گیلانی صاحبؒ کی ''تدوینِ حدیث'' ص:۲۴۴ تا ۲۶۴، اور ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کا مقدمہ برصحیفۂ ہمام بن مُنبّہ ص:۲۷ تا ۶۷۔

(۳) التقریب والتیسیر مع تدریب الراوی ص:۲۸۶۔

کتابتِ حدیث کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک مسلسل جاری رہا ہے، بلکہ آخرِ حیات میں تو یہ سلسلہ اور بھی تیز اور وسیع ہوگیا تھا۔ ابوشاہ یمنیؓ کے لئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ قلم بند کرایا تھا، یہ فتحِ مکہ کا واقعہ ہے جو حیاتِ طیبہ کا آخری دور ہے، پھر کتابُ الصدقہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عاملوں کے پاس بھیجنے کے لئے لکھوائی تھی اور جس کا مفصل ذکر پیچھے ہوچکا ہے، وہ تو بالکل ہی آخر کا واقعہ ہے، حتیٰ کہ اسے اپنے عاملوں کے پاس بھیجنے نہ پائے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

اِس لئے اگر اجازت اور ممانعت کی حدیثوں میں سے کسی کو منسوخ مانا جائے تو لامحالہ ممانعت ہی کی حدیثوں کو منسوخ ماننا پڑے گا۔

البتہ یہاں ایک دُوسرا اِشکال ہوتا ہے کہ اس توجیہ کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں کتابتِ حدیث ممنوع تھی، کیونکہ ابوسعید خدریؓ جو ممانعتِ حدیث کے راوی ہیں، یہ انصاری ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے ہجرت کے بعد ہی شرف یاب ہوئے ہیں۔

حالانکہ اسی مقالے میں پیچھے جو کچھ مستند روایات سے نقل کیا گیا ہے اُسے دیکھا جائے تو مدنی زندگی میں کوئی زمانہ ایسا نہیں ملتا جس میں کتابتِ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اجازت سے نہ ہوتی رہی ہو۔

مثلاً سراقہ کا واقعہ تو سفرِ ہجرت ہی کا واقعہ ہے، اور ''دستورِ مدینہ''(۱) بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پانچ ماہ بعد تحریر کرایا ہے، اور اس کے بعد بھی کتابتِ حدیث کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک جاری رہا ہے، جیسا کہ پیچھے بیان ہوا، اِس لئے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ابتدائی دور میں کتابتِ حدیث بالکل ممنوع تھی؟

اِس لئے ناچیز کی رائے میں ممانعتِ کتابت کی دُوسری ہی توجیہ صحیح ہے جو

---

(۱) یہ دونوں واقعات اسی مقالے میں پیچھے گزر چکے ہیں۔

اکثر محدثین بیان کرتے آئے ہیں، اور علامہ نوویؒ شارحِ مسلم نے اسے نقل کیا ہے۔[۱]

یعنی یہ کہ ممانعت محض ایک خاص صورت کے لئے کی گئی تھی، اور وہ یہ کہ کچھ صحابہ کرامؓ نے قرآنِ کریم کی آیات کی جو تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی وہ بھی آیتوں کے ساتھ ہی اسی چیز پر لکھ لی جس پر یہ آیات لکھی ہوئی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ جس جس نے مجھ سے سنے ہوئے تفسیری الفاظ بھی قرآنی الفاظ کے ساتھ ملا کر لکھ لئے ہیں، وہ انہیں مٹادے۔ ورنہ خطرہ تھا کہ عام لوگ قرآن و حدیث کے الفاظ میں تمیز نہ کرسکیں گے، قرآن کو حدیث اور حدیث کو قرآن سمجھ بیٹھیں گے۔ یہ خطرہ اس لئے تھا کہ اُس وقت تک قرآنِ حکیم پورا نازل نہیں ہوا تھا اور عام طور سے لوگوں میں قرآنی اُسلوب کی شناخت کا ایسا راسخ ملکہ پیدا نہیں ہوا تھا کہ ایک ہی نظر میں صرف اُسلوب سے قرآن اور غیرِ قرآن میں یقینی طور پر فرق کرسکیں، اسی طرح بعض کم عمر صحابہؓ جن کے بارے میں یہ اندیشہ تھا کہ وہ مذکورہ احتیاط کو ملحوظ نہ رکھ سکیں گے، انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے کی اجازت نہیں دی، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی کم سن صحابہ میں سے تھے، حتیٰ کہ ان کی کم سنی کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غزوۂ بدر میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی،[۲] ان کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے سے باز رکھا۔

خلاصہ یہ کہ احادیث کو الگ لکھنے کی عام ممانعت کسی وقت بھی نہیں ہوئی، البتہ ایک ہی چیز پر قرآن کے ساتھ لکھنے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا، تاکہ قرآن و حدیث خلط ملط نہ ہوجائیں، اور جب یہ اندیشہ جاتا رہا تو آپ صلی اللہ علیہ

---

(۱) دیکھئے: صحیح مسلم مع نووی، کتاب الزہد، باب التثبت فی الحدیث ج:۲ ص:۴۱۴، و تدریب الراوی ص:۲۸۷۔

(۲) مقدمہ صحیفۂ ہمام بن منبہ ص:۳۰-۷، بحوالہ مقریزی۔ علامہ نوویؒ نے مقدمۂ صحیح مسلم کی شرح میں بیان کیا ہے کہ ان کی وفات کے وقت ان کی عمر ۷۴ سال تھی، اور وفات ۶۴ھ یا ۷۴ھ میں ہوئی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت ان کی عمر یا تو دس سال تھی یا ہجرت کے سال ہی ان کی ولادت ہوئی تھی، پہلا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲ رفیع۔

وسلم نے دونوں کو ایک ساتھ لکھنے کی اجازت بھی دے دی۔

چنانچہ ٦ھ کے اواخر یا ٧ھ کے شروع میں قیصرِ روم کے نام جو والا نامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا،[1] اس میں احادیث کے ساتھ ہی قرآنِ حکیم کی یہ آیت بھی تحریر تھی:-

يَـٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ.

اِس توجیہ کی تائید حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی کی ایک مفصل روایت سے ہوتی ہے، جو مسندِ احمد میں موجود ہے[2]:-

قَالَ: كُنَّا قُعُوْدًا نَّكْتُبُ مَا نَسْمَعُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ: مَا هٰذَا تَكْتُبُوْنَ؟ فَقُلْنَا: مَا نَسْمَعُ مِنْكَ. فَقَالَ: اَكِتَابٌ مَّعَ كِتَابِ اللهِ؟ امْحَضُوْا كِتَابَ اللهِ. اَكِتَابٌ[3] مَعَ كِتَابِ اللهِ؟ امْحَضُوْا كِتَابَ اللهِ. قَالَ: فَجَمَعْنَا مَا كَتَبْنَا فِيْ صَعِيْدٍ وَّاحِدٍ ثُمَّ حَرَّقْنَاهُ بِالنَّارِ.

ترجمہ:- کہتے ہیں کہ: ہم بیٹھے ہوئے وہ ارشادات لکھ رہے تھے جو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے کہ آپؐ باہر تشریف لائے اور پوچھا: یہ تم کیا لکھ رہے ہو؟ ہم نے کہا: جو آپ سے سنتے ہیں وہ لکھ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) صحیح بخاری ج:۱ ص:۵۔

(۲) مسندِ احمد بن حنبلؒ کی مبوّب شکل "الفتح الربانی" ج:۱ ص:۱۷۱، ۱۷۲۔

(۳) قولہٗ: "كِتَابٌ" نكرة أُريد به المصدر كما هو في اللّغة، والكتابُ المعرفة أُريد به المكتوب وهو القرآن، وقد اوضحناه في الترجمة ويمكن ان يُراد بالنكرة المتكوبُ أيضًا. (رفیع)

فرمایا: کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ لکھائی؟ اللہ کی کتاب کو خالص رکھو۔ (دوبارہ فرمایا) کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ لکھائی؟ اللہ کی کتاب کو بالکل خالص رکھو۔ ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ: چنانچہ ہم نے جو کچھ لکھا تھا اسے ایک جگہ جمع کیا، اور آگ میں جلا دیا۔

اِس روایت میں بار بار یہ جملے ''کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ لکھائی؟'' اور ''اللہ کی کتاب کو خالص رکھو'' سے اسی توجیہ کی تائید ہوتی ہے کہ یہ ممانعت درحقیقت قرآن وحدیث کو ایک ساتھ لکھنے کی تھی، علیحدہ علیحدہ لکھنے کی نہیں، واللہ اعلم۔

❁❁❁

عہدِ صحابہؓ میں کتابتِ حدیث

عہدِ صحابہؓ میں تحریر و کتابت کو جو وسعت اور ترقی حاصل ہوئی، خصوصاً احادیثِ نبویہ کی تألیف و کتابت کے میدان میں جو عظیم کارنامے اس دور میں انجام دیئے گئے، وہ بھی درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اس تعلیمی سیاست کا نتیجہ تھا جس کی ایک جھلک پچھلے اوراق میں قارئین کے سامنے آئی ہے۔

عہدِ صحابہؓ میں احادیث کی اِکا دُکا تحریروں اور چھوٹے چھوٹے صحیفوں کے علاوہ بہت سی ضخیم کتابیں تألیف ہوئیں، خطوط کے ذریعہ روایتِ حدیث کا طریقہ بھی کافی رائج ہوا، اور صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد ان تحریری خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہی۔

اِس مختصر مقالے میں تفصیلات کی تو گنجائش نہیں، البتہ متعدّد صحابہ کرامؓ کی جو کتابی خدمات معمولی جستجو سے سامنے آگئیں، اُن کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔

اس دور میں حدیثیں لکھنے والے صحابہ کرامؓ

۱:- حضرت ابوبکر صدیقؓ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب اپنے دورِ خلافت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کو تحصیلِ زکوٰۃ کے لئے بحرین روانہ کیا تو ان کو ایک ''کتابُ الصدقہ'' لکھ کر حوالے کی، یہ کتاب ان احادیثِ نبویہ پر مشتمل تھی، جن میں مختلف قسم کے اَموال کا نصاب اور شرحِ زکوٰۃ اور متعلقہ اَحکام تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، اس کتاب کی روایت حضرت انسؓ کے پوتے ثمامہ بن عبداللہؒ نے کی ہے، اور امام بخاریؒ

نے اس کے اقتباسات کتاب الزکوٰۃ[۱] کے متفرق ابواب میں نقل کئے ہیں۔

ایک روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں پانچ سو اَحادیثِ نبویہ کا ایک تحریری مجموعہ تیار کیا تھا، جو بعض مصلحتوں کے پیشِ نظر بعد میں جلادیا۔[۲]

کیا حضرتِ صدیقؓ کتابتِ حدیث کو جائز نہ سمجھتے تھے؟

اس جلانے کے واقعے سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کتابتِ حدیث کو جائز نہ سمجھتے تھے، لیکن یہ نتیجہ کئی وجوہ سے غلط ہے۔

۱:- اَوّل تو اس لئے کہ اُوپر بخاری کی روایت سے ثابت ہوچکا ہے کہ آپؓ نے اَحکامِ زکوٰۃ پر مشتمل احادیث کی ایک کتاب لکھ کر حضرت انسؓ کو دی تھی، اگر کتابتِ حدیث ان کے نزدیک جائز نہ ہوتی تو یہ کتاب کیوں تحریر فرماتے؟

۲:- دُوسرے اس لئے کہ اس روایت کے مطابق زیرِ بحث مجموعہ جو ایک دو نہیں، پانچ سو اَحادیث پر مشتمل تھا، اس کو لکھنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کتابتِ حدیث کو جائز سمجھتے تھے۔

۳:- تیسرے اس لئے کہ تذکرۃ الحفاظ میں علامہ ذہبیؒ نے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: "فھٰذا لا یصح" اگر یہ جملہ علامہ ذہبیؒ کا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ روایت دُرست نہیں، یعنی یا تو یہ پورا قصہ ہی اَوّل سے آخر تک سند کے اعتبار سے دُرست نہیں، یا یہ بات دُرست نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے جلادیا تھا۔

۴:- چوتھے اس لئے کہ اگر ان کے نزدیک کتابتِ حدیث جائز نہ ہوتی تو اس مجموعے کو جلانے کی وجہ یہی بیان فرماتے کہ میں کتابتِ حدیث کو جائز نہیں سمجھتا،

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ ج:۱ ص:۱۹۴ تا ۱۹۶۔

(۲) تذکرۃ الحفاظ ج:۱ ص:۵۔

حالانکہ آپ نے جلانے کے دُوسرے اسباب بیان فرمائے اور کتابتِ حدیث کے جائز نہ ہونے کی طرف اشارہ تک نہیں فرمایا۔

آپؓ کی یہ تألیف کیوں جلائی گئی؟

چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں جہاں یہ واقعہ لکھا ہے، وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ آپؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جلانے کی وجہ پوچھی تو آپؓ نے فرمایا کہ:-

خَشِیْتُ اَنْ اَمُوْتَ وَهِیَ عِنْدِیْ فَیَکُوْنُ فِیْهِ اَحَادِیْثُ عَنْ رَّجُلٍ قَدِ ائْتَمَنْتُهٗ وَوَثِقْتُ، وَلَمْ یَکُنْ کَمَا حَدَّثَنِیْ، فَأَکُوْنَ قَدْ نَقَلْتُ ذٰلِکَ، فَهٰذَا لَا یَصِحُّ۔[1]

ترجمہ:- مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ میں اپنے پاس یہ کتاب چھوڑ کر مرجاؤں اور اس میں کسی ایسے شخص کی روایت کی ہوئی حدیثیں بھی ہوں جو میرے نزدیک امانت دار تو ہو اور (اس وجہ سے) میں نے اعتماد کرلیا ہو، حالانکہ وہ حدیث حقیقت میں اس طرح نہ ہو جس طرح اس نے مجھے سنائی ہے (اس سے بھول چوک ہوگئی ہو)، تو میں ایسی (مشکوک) روایت کو نقل کرنے والا بن

(۱) اس جملے "فهٰذا لا یصح" کو بعض محققین نے، مثلاً مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی کتاب "تدوینِ حدیث" میں اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے "مقدمہ صحیفۂ ہمام بن مُنبّہ" میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا کلام ہی کا حصہ قرار دیا ہے، ناچیز نے بھی یہاں اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ لیکن بہت سے دیگر محققین اور مصنفین نے اسے علامہ ذہبیؒ کا جملہ قرار دیا ہے، اگر واقعی یہ علامہ ذہبیؒ کا ارشاد ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ علامہ ذہبیؒ یہ فرما رہے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا واقعہ سند کے اعتبار سے دُرست نہیں، یعنی یا تو یہ پورا واقعہ ہی سند کے اعتبار سے صحیح نہیں، یا یہ بات دُرست نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے جلا دیا تھا۔ اور خلاصہ یہ نکلے گا کہ اس روایت سے نہ کتابتِ حدیث پر استدلال کیا جاسکے گا، نہ کتابت کے عدمِ جواز پر۔ رفیع ۱۲/۶/۱۴۲۳ھ

جاؤں گا، اور یہ بات صحیح نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اِس جواب میں جلانے کے دو سبب بیان فرمائے ہیں، ایک یہ کہ اس مجموعے میں ایسی حدیثیں بھی تھیں جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہیں سنی تھیں بلکہ دُوسروں سے سن کر لکھی تھیں، اور جن حضرات سے سنی تھیں وہ بھی غیر معین افراد تھے، جیسا کہ اُوپر کی روایت میں لفظ "رَجُلٌ" (نکرہ) سے واضح ہے۔ غالباً آپؓ نے ہر حدیث کے ساتھ اس کے راوی کا نام نہیں لکھا تھا، اور اب یہ معین نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کون سی حدیث کس سے سنی ہے؟ اور دُوسرا سبب جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے سامنے آتا ہے، یہ ہے کہ انہوں نے جن حضرات سے یہ حدیثیں سنی تھیں ان میں بعض غیر معین افراد ایسے تھے کہ ان کی دیانت وامانت پر تو حضرت ابوبکرؓ کو پورا اعتماد تھا، جیسا کہ اُن کے الفاظ:-

قَدِ ائْتَمَنْتُهٗ وَوَثِقْتُ.

جو میرے نزدیک امانت دار تو ہو اور (اس وجہ سے) میں نے اس پر اعتماد کیا ہو۔

سے واضح ہے، لیکن ان کے حافظے پر آپ کو ایسا اعتماد نہ تھا کہ ان کی روایت کی صحت کی پوری ذمہ داری اپنے سر لے سکیں، جیسا کہ خود ارشاد فرمایا کہ:-

وَلَمْ یَکُنْ کَمَا حَدَّثَنِیْ، فَأَکُوْنَ قَدْ نَقَلْتُ ذٰلِکَ، فَھٰذَا لَا یَصِحُّ.

اور (مجھے اندیشہ ہوا کہ) وہ حدیث حقیقت میں اس طرح نہ ہو جس طرح اس نے مجھے سنائی ہے، تو میں ایسی (مشکوک) روایت کو نقل کرنے والا بن جاؤں گا، اور یہ بات صحیح نہیں۔

کسی روایت کا مستند ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس کا راوی معلوم ہو، دیانت دار ہو، اور اس کے حافظے پر اعتماد کیا جاتا ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اِس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کا جو مجموعہ انہوں نے نذرِ آتش کیا، اس کی بعض غیر معین احادیث میں پہلی اور تیسری شرط مفقود تھی۔

خلاصہ یہ کہ اس مجموعے کو جلانا اس وجہ سے نہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کتابتِ حدیث کو جائز نہ سمجھتے تھے، بلکہ وجہ یہ تھی کہ یہ مجموعۂ احادیث سند کے اعتبار سے اُن شرائط پر پورا نہ اُترتا تھا جو روایتِ حدیث کے لئے ضروری ہیں۔

۲:- حضرت عمر فاروقؓ

اِن کے ایک ''وقف نامے'' کا ذکر پیچھے آچکا ہے، جو عہدِ رسالت میں لکھا گیا تھا۔ یہ بات بھی پیچھے تفصیل سے آچکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرِ حیات میں جو ''کتابُ الصدقۃ'' لکھوائی تھی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہی، اور ان کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس منتقل ہوگئی، اور یہ دونوں بزرگ اپنے اپنے دورِ خلافت میں اس پر عمل فرماتے رہے۔

اس کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے دورِ خلافت میں خود بھی حدیثیں لکھنا ثابت ہے۔ صحیح مسلم(۱) میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان میں اسلامی سپہ سالار ''عتبہ بن فرقد'' کے نام ایک فرمان بھیجا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث تحریر فرمائی تھی کہ:-

فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ لَبُوْسِ الْحَرِیْرِ، قَالَ: اِلَّا ھٰکَذَا. وَرَفَعَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِصْبَعَیْہِ الْوُسْطٰی وَالسَّبَّابَۃَ وَضَمَّھُمَا. قَالَ زُھَیْرٌ: قَالَ عَاصِمٌ: ھُوَ فِی الْکِتَابِ.

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کا لباس پہننے کی ممانعت فرمائی ہے، مگر اِتنے کی اجازت ہے، یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو اُنگلیاں اُٹھائیں، ایک شہادت کی اُنگلی اور ایک بیچ کی اُنگلی، اور دونوں اُنگلیوں کو ملالیا۔ عاصم (جو

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب استعمال اناء الذھب ....الخ۔ ج:۲ ص:۱۹۱۔

اس حدیث کے راوی ہیں) کہتے ہیں کہ: یہ حدیث اس خط میں لکھی ہوئی تھی۔

نیز ترمذی(۱) کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث لکھ کر بھیجی تھی کہ:-

اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَللہُ وَرَسُوْلُہٗ مَوْلٰی مَنْ لَّا مَوْلٰی لَہٗ، وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَہٗ.

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: اللہ اور اس کا رسول اس شخص کے مولیٰ ہیں جس کا کوئی مولیٰ نہ ہو، اور ماموں اس شخص کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو۔

آپؓ کی ایک تألیف

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح ایک ''کتابُ الصدقۃ'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی تحریر فرمائی تھی، جس کا متن امام مالکؒ نے مؤطا میں نقل کیا ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ: ''حضرت عمر بن الخطابؓ کی یہ کتاب جو صدقہ کے متعلق ہے، میں نے خود پڑھی ہے۔''(۲) اِس کتاب میں نصابِ زکوٰۃ، شرحِ ادائیگی کی تفصیلات اور متعلقہ مسائل درج کئے گئے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں اور سپہ سالاروں کو جو وقتاً فوقتاً بڑی تعداد میں سرکاری خطوط لکھے، ان میں جستجو کی جائے تو تحریری حدیثوں کی اور بھی مثالیں سامنے آنے کی توقع ہے۔

ایک اور ضخیم تألیف کا ارادہ

نیز آپ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک بڑا مجموعۂ احادیث قلم بند فرمانے کا ارادہ کیا تھا، صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی لکھنے کی رائے دی، مگر حضرت عمرؓ

---

(۱) جامع ترمذی، ابواب الفرائض، باب ما جاء فی میراث الخال ج:۲ ص:۴۰۔

(۲) مؤطا امام مالکؒ، کتاب الزکوٰۃ، صدقۃ الماشیۃ ص:۱۰۹ تا ۱۱۱۔

نے ایک ماہ تک استخارہ کرنے کے بعد یہ ارادہ ترک فرمادیا، اور اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ[۱]:-

اِنِّیْ کُنْتُ اُرِیْدُ اَنْ اَکْتُبَ السُّنَنَ وَاِنِّیْ ذَکَرْتُ قَوْمًا قَبْلَکُمْ کَتَبُوْا کُتُبًا وَاَکَبُّوْا عَلَیْھَا وَتَرَکُوْا کِتَابَ اللہِ، وَاِنِّیْ وَاللہِ! لَا اَشُوْبُ کِتَابَ اللہِ بِشَیْءٍ اَبَدًا.

ترجمہ:- میں ارادہ کر رہا تھا کہ حدیثیں لکھوں، مگر مجھے تم سے پہلے کی ایک قوم یاد آگئی جس نے خود کتابیں لکھیں، اور اُن پر ایسی جھکیں کہ اللہ کی کتاب ہی کو چھوڑ بیٹھیں، اور میں بخدا! کبھی اللہ کی کتاب (قرآن) کو کسی چیز کے ساتھ ملتبس اور خلط ملط نہیں کروں گا۔

ایک مغالطہ اور اس کا جواب

اِس واقعے سے بھی بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کتابتِ حدیث کو جائز نہ سمجھتے تھے، لیکن یہ نتیجہ اس لئے غلط ہے کہ اُوپر معلوم ہوچکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے خود حدیثیں لکھی ہیں، نیز صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد جن کا ذکر آگے آئے گا، احادیث لکھتی چلی آرہی تھی، کسی قابلِ اعتماد روایت سے ثابت نہیں کہ حضرت عمرؓ نے انہیں کتابتِ حدیث سے منع کیا ہو،[۲] بلکہ اس کے برعکس وہ کتابتِ حدیث کی ترغیب دیا کرتے تھے، چنانچہ کتبِ حدیث میں ان کا یہ ارشاد[۳] سندِ صحیح کے ساتھ نقل ہوتا چلا آرہا ہے کہ:-

---

(۱) جامع بیان العلم ص:۶۴۔

(۲) بعض روایتیں جو اس قسم کی ملتی ہیں، انہیں محدثین نے مشتبہ قرار دیا ہے اور ان کے راویوں پر جرح کی ہے۔ تدوینِ حدیث ص:۳۴۷ (بحوالہ جامع بیان العلم، کتاب الاحکام لابن حزم)۔

(۳) دارمی ج:۱ باب:۴۳ ص:۱۰۵، والمحدث الفاصل ص:۳۷۷، ومستدرک حاکم ج:۱ ص:۱۰۶، وجامع بیان العلم ج:۱ ص:۷۲۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، اور حافظ ذہبیؒ نے تلخیصِ مستدرک میں اس پر سکوت کیا ہے، جو ان کی طرف سے توثیق کی علامت ہے۔

قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ. علم کو کتابت کے ذریعہ محفوظ کرلو۔

البتہ خود کوئی بڑا مجموعۂ احادیث قلم بند کرنے سے باز رہے، جس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن شریف کا جو نسخہ سرکاری طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تحریر کرایا تھا، اب وہی حضرت عمرؓ کے پاس محفوظ تھا، پورے عالمِ اسلام میں قرآن شریف کے حافظ تو بے شمار تھے، تحریری نسخے بھی متعدد صحابہ کرامؓ کے پاس محفوظ تھے، لیکن سرکاری نسخہ صرف یہی ایک تھا، جس کی نقلیں حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں تیار کرا کے اسلامی ممالک میں بھیجی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کی کوئی اور نقل نہ تھی، اب اگر حضرت عمرؓ احادیث کی بھی ایک کتاب تألیف کر کے محفوظ کر لیتے تو اس کی حیثیت بھی سرکاری نسخۂ احادیث کی ہو جاتی، اور قوی اندیشہ تھا کہ وہ لوگ جو نئے نئے اسلام میں داخل ہو رہے تھے، رفتہ رفتہ اسے بھی وہی درجہ دے دیں جو قرآن شریف کے سرکاری نسخے کو حاصل تھا، اور قرآن شریف کی طرح اس مجموعۂ احادیث کو بھی قطعی سمجھنے لگیں، چنانچہ حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ کہ:-

وَاِنِّیْ وَاللّٰهِ! لَا اَشُوْبُ كِتَابَ اللّٰهِ بِشَیْءٍ اَبَدًا.

اور میں بخدا! کبھی اللہ کی کتاب کو کسی چیز کے ساتھ ملتبس اور خلط ملط نہیں کروں گا۔

صریح طور پر بتا رہے ہیں کہ وہ احادیث کی کتاب خود لکھنے یا اپنے زیرِ انتظام لکھوانے میں قرآن و حدیث کے باہم ملتبس ہو جانے کا خطرہ محسوس فرما رہے تھے، اور یہ خطرہ دُوسروں کے لکھنے میں نہ تھا، اسی لئے دُوسرے صحابہ کرامؓ کو لکھنے سے نہیں روکا، اور خود کتابتِ حدیث کا ارادہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کو فی نفسہٖ جائز سمجھتے تھے۔

پھر صحابہ کرامؓ کا دور ختم ہونے سے پہلے ہی جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ ہوئے اور قرآن شریف کے بے شمار مستند نسخے پورے عالمِ اسلام میں پھیل جانے کے باعث مذکورہ بالا خطرہ جاتا رہا تو انہوں نے سرکاری طور پر نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو بڑے پیمانے پر قلم بند کرایا، بلکہ ابوبکر بن حزم (مدینہ منوّرہ کے گورنر) کو فرمان بھیجا کہ حضرت عمر (بن الخطاب) کی حدیثیں بھی جو

تمہارے نزدیک ثابت ہوجائیں، لکھ کر میرے پاس بھیج دو۔ (۱)

قابلِ قدر احتیاط

لیکن اس دور میں بھی یہ احتیاط برتی گئی کہ حدیثوں کے مجموعوں کی جلد بندی نہیں کرائی جاتی تھی (۲) تاکہ قرآن شریف کے نسخوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہوکر ان لوگوں کے لئے مغالطہ کا سبب نہ بن جائے جو اسلام میں نئے نئے داخل ہورہے تھے۔

نیز اہلِ کتاب کی کتابوں کو بھی صحابہؓ اپنے پاس اسی وجہ سے نہ رکھتے تھے۔ (۳)

۳:- حضرت علی مرتضیٰؓ

آپؓ کے اُس مشہور صحیفے کا ذکر قدرے تفصیل سے عہدِ رسالتؐ کے بیان میں آچکا ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں پر مشتمل تھا، اور جس کے اقتباسات حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں مجلسوں اور خطبات میں سنایا کرتے تھے، یہ صحیفہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا۔ (۴)

اِس کے علاوہ جب آپؓ کے دورِ خلافت میں عبداللہ بن سبا کی سازش سے شیعہ اور خوارج کے فرقے پیدا ہوئے اور انہوں نے اپنے باطل عقائد و نظریات کی ترویج کے لئے خودساختہ حدیثیں مسلمانوں میں پھیلانا شروع کردیں تو اس خطرناک فتنے کی سرکوبی کے لئے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے صحیح احادیثِ نبویہ کی نشر و اشاعت کا خود اہتمام فرمایا، طبقاتِ (۵) ابنِ سعد کی روایت ہے کہ:-

اِنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ: مَنْ یَّشْتَرِیْ

---

(۱) سننِ دارمی ج:۱ باب:۴۳ ص:۱۰۴ نمبر:۴۹۳۔

(۲) سننِ دارمی ج:۱ ص:۱۰۰ نمبر:۴۶۸، ۴۷۰۔

(۳) سننِ دارمی ج:۱ ص:۱۰۲ نمبر:۴۸۳۔

(۴) مسندِ احمد ج:۱ ص:۱۱۹ (تدوینِ حدیث ص:۴۱۷)۔

(۵) طبقاتِ ابنِ سعد ج:۶ ص:۱۶۸ جزو:۲۲، والمحدث الفاصل ص:۳۷۰۔

عِلْمًا بِدِرْهَمٍ.

ترجمہ:- علی بن ابی طالبؓ خطبہ دے رہے تھے، اسی خطبے میں فرمایا کہ: کون ہے جو ایک درہم میں علم خریدے؟

مطلب یہ تھا کہ جو شخص چاہتا ہو کہ میں اُسے ''علم'' (حدیثیں) لکھ کر دوں وہ ایک درہم کے کاغذ خرید لائے۔

چنانچہ آگے اسی روایت میں ہے کہ:-

فَاشْتَرَى الْحَارِثُ الْاَعْوَرُ صُحُفًا بِدِرْهَمٍ ثُمَّ جَاءَ بِهَا عَلِيًّا فَكَتَبَ لَهُ عِلْمًا كَثِيْرًا.

ترجمہ:- چنانچہ حارثِ اَعور نے ایک درہم میں کچھ اوراق خریدے اور لے کر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت علیؓ نے اُن کو بہت سا علم لکھ دیا۔

قرونِ اُولیٰ میں لفظِ ''علم'' حدیث کے لئے استعمال ہوتا تھا

ظاہر یہی ہے کہ حارثِ اَعور کو جو کچھ لکھ کر دیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں تھیں، کیونکہ اسلام کے قرونِ اُولیٰ میں ''علم'' کا لفظ احادیثِ نبویہ ہی کے لئے استعمال ہوتا تھا، چنانچہ[1] ابنِ سعد نے عطاء بن ابی رباح کے حال میں لکھا ہے کہ ابنِ جریج کہتے ہیں کہ:-

كَانَ عَطَاءُ اِذَا حَدَّثَ بِشَيْءٍ قُلْتُ: عِلْمٌ اَوْ رَأْيٌ؟ فَاِنْ كَانَ اَثَرًا قَالَ: عِلْمٌ، وَاِنْ كَانَ رَأْيًا قَالَ: رَأْيٌ.

ترجمہ:- عطاء جب کوئی بات بیان کرتے تو میں پوچھتا کہ: یہ علم ہے یا رائے؟ اگر حدیث ہوتی تو وہ کہتے کہ: علم ہے، اور اگر رائے ہوتی (یعنی علماء کے استنباط کئے ہوئے مسائل ہوتے) تو کہتے کہ: رائے ہے۔

---

(۱) طبقاتِ ابنِ سعد ج:۵ ص:۴۶۹ جزو:۱۹۔

حضرت علیؓ کی مرویات کا تحریری مجموعہ

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی انہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ آپ کی روایت کی ہوئی حدیثوں کے کئی تحریری مجموعے مختلف حضرات کے پاس تیار ہوگئے تھے، چنانچہ طبقاتِ[۱] ابنِ سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حجر بن عدی جو حضرت علیؓ کے خاص شاگردوں میں سے تھے، ان کے پاس حضرت علیؓ کی روایت کردہ حدیثوں کا ایک تحریری مجموعہ تھا، کیونکہ ایک شرعی مسئلے (پانی سے استجاء) کا ذکر ان کے سامنے ہوا تو حجر نے فرمایا کہ:-

> **نَاوِلْنِي الصَّحِيْفَةَ مِنَ الْكَوَّةِ، فَقَرَأَ: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، هٰذَا مَا سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ يَذْكُرُ: اَنَّ الطُّهُوْرَ نِصْفُ الْاِيْمَانِ.**
>
> ترجمہ:- مجھے طاق میں سے وہ صحیفہ اُٹھادو، (جب لاکر دیا گیا) تو عدی یہ پڑھنے لگے: بسم اللہ الرحمٰن الرحی، یہ وہ روایتیں ہیں جو میں نے علی بن ابی طالبؓ سے سنی ہیں، وہ بیان کرتے تھے کہ: پاکی ایمان کا نصف ہے۔

اِس صحیفے میں سب حدیثیں حضرت علیؓ ہی کی روایت کردہ تھیں، کیونکہ طبقاتِ[۲] ابنِ سعد میں صراحت ہے کہ: حجرؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی سے کوئی روایت نقل نہیں کی۔

امام باقرؒ جو حضرت علیؓ کے پڑپوتے ہیں، ان کے پاس بھی حدیثوں کی کئی کتابیں موجود تھیں، ان کے صاحبزادے امام جعفر صادقؒ ان کتابوں کی حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اِن حدیثوں کے متعلق امام جعفرؒ نے فرمایا:-

> **اِنَّمَا وَجَدْتُّهَا فِيْ كُتُبِهٖ.** [۳]

---

(۱)، (۲) ج:۶ ص:۲۲ جزو:۲۲۔

(۳) تہذیب التہذیب ج:۲ ص:۱۰۴۔

ترجمہ:- یہ سب میں نے اُن (امام باقرؒ) کی کتابوں سے لی ہیں۔

اگرچہ امام باقرؒ کو حضرت جابرؓ نے بھی حدیثیں اِملاء کرائی تھیں، جیسا کہ حضرت جابرؓ کی خدمات میں آئے گا، لیکن ظاہر یہی ہے کہ امام باقرؒ کے پاس حدیث کی جو کتابیں تھیں، ان میں حضرت علیؓ کی مرویات بھی خاصی بڑی تعداد میں ضرور ہوں گی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاجزادے محمد ابن الحنفیہ کے پاس بھی حدیثوں کی ایک کتاب موجود تھی، عبدالاعلیٰ کے ترجمے میں لکھا[1] ہے کہ:-

كُلُّ شَيْءٍ رَوٰى عَبْدُ الْاَعْلٰى عَنِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ اِنَّمَا هُوَ كِتَابٌ اَخَذَهُ وَلَمْ يَسْمَعْهُ.

ترجمہ:- عبدالاعلیٰ، محمد بن الحنفیہ سے جو کچھ روایت کرتے ہیں وہ دراصل ایک کتاب تھی جو عبدالاعلیٰ نے لے لی تھی، اور عبدالاعلیٰ نے براہِ راست محمد بن حنفیہ سے یہ روایتیں نہیں سنیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عدالتی فیصلے بھی قلم بند کئے گئے تھے، مگر ان میں بعض فتنہ پردازوں نے غلط روایتیں شامل کردی تھیں، حضرت ابنِ عباسؓ نے اِن تحریری فیصلوں کو غلط روایات سے پاک کیا اور طائف کے قاضی ابنِ ابی مُلیکہ کی درخواست پر انہیں نقل کر کے ابنِ ابی مُلیکہ کے پاس بھیجا۔[2]

۴:- حضرت ابوہریرہؓ

ان کا علمی انہماک معروف ہے، جب سے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے خود کو گویا حدیثیں یاد کرنے اور دُوسروں تک پہنچانے ہی کے لئے وقف کرلیا تھا۔ پیچھے انہی کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ انہوں نے عہدِ رسالتؐ میں حدیثیں حفظ تو کرلی تھیں، لکھی نہ تھیں، مگر عہدِ صحابہؓ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں انہوں نے بھی اپنی تمام مرویات خود لکھ کر یا کسی سے لکھوا کر محفوظ کرلی تھیں۔

---

(۱) تدوین حدیث ص:۴۲۴۔

(۲) مقدمہ صحیح مسلم ج:۱ ص:۱۰۔

آپؓ کی تألیفات

چنانچہ ان کے شاگرد حسن بن عمروؒ کا بیان ہے کہ: میں[1] نے ابوہریرہؓ کے سامنے ایک حدیث بیان کی تو انہوں نے اس سے لاعلمی ظاہر کی، میں نے کہا: یہ حدیث تو میں نے آپ ہی سے سنی ہے، تو ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ:-

اِنْ کُنْتَ سَمِعْتَهُ مِنِّیْ فَهُوَ مَکْتُوْبٌ عِنْدِیْ.

ترجمہ:- اگر یہ حدیث تم نے مجھ سے سنی ہے تو میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی۔

یہ شاگرد کہتے ہیں کہ: اس کے بعد ابوہریرہؓ مجھے ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور:-

فَاَرَانَا کُتُبًا کَثِیْرَةً مِنْ حَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ ذٰلِکَ الْحَدِیْثَ، فَقَالَ: قَدْ اَخْبَرْتُکَ اَنِّیْ اِنْ کُنْتُ حَدَّثْتُکَ بِهٖ فَهُوَ مَکْتُوْبٌ عِنْدِیْ.

ترجمہ:- ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی بہت ساری کتابیں دکھائیں، چنانچہ وہ حدیث ان کو مل گئی، تو فرمایا کہ: میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ اگر میں نے یہ حدیث تم کو سنائی ہے تو میرے پاس ضرور لکھی ہوئی موجود ہوگی۔

اِس واقعے سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کے پاس احادیثِ نبویہ کی بہت سی کتابیں محفوظ تھیں، وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کتابوں میں ان کی تمام مرویات لکھ لی گئی تھیں، ان کی کوئی روایت کردہ حدیث ایسی نہ تھی جو اِن کے پاس لکھی ہوئی محفوظ نہ ہو۔ اور یہ پیچھے عہدِ رسالتؐ کے بیان میں معلوم ہو چکا ہے کہ ان کی روایت کردہ حدیثیں جو حدیث کی کتابوں میں اب تک محفوظ ہیں ان کی کل تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے۔[2]

---

(۱) جامع بیان العلم ج:۱ ص:۷۴۔ نیز یہی واقعہ اختصار کے ساتھ فتح الباری ج:۱ ص:۱۸۴ میں بھی مذکور ہے۔

(۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج:۱ ص:۷۲۔

اِن تالیفات کے متعدّد نسخے

۱:- طبقاتِ ابنِ سعد کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی تمام مرویات کا ایک مکمل نسخہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے والد عبدالعزیز ابنِ مروان گورنرِ مصر کے پاس بھی محفوظ تھیں، کیونکہ انہوں نے ایک مرتبہ کثیرہ بن مرہ کو لکھا کہ[1]:-

اَنْ یَّکْتُبَ اِلَیْهِ بِمَا سَمِعَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَحَادِیْثِهِمْ اِلَّا حَدِیْثَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ فَاِنَّهٗ عِنْدَنَا.

ترجمہ:- تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے جو حدیثیں سنی ہوں، میرے پاس لکھ کر بھیج دو، سوائے ابوہریرہؓ کی احادیث کے، کہ وہ ہمارے پاس محفوظ ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت ابوہریرہؓ کی حیات میں ان کی روایت کردہ حدیثوں کے اور بھی کئی چھوٹے بڑے نسخے اُن کے شاگردوں نے تیار کرلئے تھے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

۲:- حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد بشیر بن نہیک نے بھی آپ کی مرویات لکھی تھیں، وہ فرماتے کہ[2]:-

کُنْتُ اَکْتُبُ مَا اَسْمَعُ مِنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، فَلَمَّا اَرَدْتُ اَنْ اُفَارِقَهٗ اَتَیْتُهٗ بِکِتَابِهٖ فَقَرَأْتُ عَلَیْهِ وَقُلْتُ لَهٗ: هٰذَا مَا سَمِعْتُ مِنْکَ؟ قَالَ: نَعَمْ!

ترجمہ:- میں جو حدیثیں ابوہریرہؓ سے سنتا تھا، لکھ لیتا تھا، جب میں نے ان سے رُخصت ہونے کا ارادہ کیا تو وہ کتاب لے کر

---

(۱) طبقاتِ ابنِ سعد ج:۷ ص:۴۴۸ جز:۲۸۔

(۲) سُننِ دارمی ج:۱ باب:۴۳ ص:۱۰۵، وطبقاتِ ابنِ سعد ج:۷ ص:۲۲۳ جزو:۲۶، و جامع بیان العلم ج:۱ ص:۷۲۔

میں ان کے پاس آیا اور انہیں پڑھ کر سنائی، اور ان سے (بغرضِ توثیق) پوچھا: یہ سب حدیثیں وہی ہیں ناں جو میں نے آپ سے سنی ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں!

اِس سے معلوم ہوا کہ بشیر بن نہیک نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنی ہوئی حدیثیں صرف لکھنے ہی پر انحصار نہیں کیا بلکہ لکھی ہوئی حدیثیں ان کو سنا کر ان سے توثیق بھی کرائی تھی۔

الصحیفة الصحیحة

۳:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک مشہور شاگرد ہمام بن مُنبّہ ہیں، جن کو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریباً ڈیڑھ سو حدیثیں ایک رسالے میں مرتب کر کے اِملاء کرائی تھیں۔ اس رسالے کی درس و تدریس کا سلسلہ صدیوں بعد تک جاری رہا، چونکہ اس کی سب حدیثیں بعد کے مؤلفین مثلاً امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ وغیرہم نے اپنی کتابوں میں بعینہٖ نقل کردی ہیں، اس لئے رفتہ رفتہ اس کی الگ تدریس کا سلسلہ کم ہوتے ہوتے ۸۵۶ھ میں تقریباً ختم ہوگیا، اور اب صدیوں سے یہ رسالہ نایاب تھا، مگر ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں اس کے صدیوں پُرانے دو قلمی نسخے دمشق (شام) اور برلن (جرمنی) کے کتب خانوں میں فاضل محقق جناب ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کو دستیاب ہوگئے،[1] اور انہوں نے ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں اسے اپنے فاضلانہ مقدمے اور قابلِ رشک تحقیق و ترجمے کے ساتھ شائع کردیا ہے۔

اس رسالے کا نام "الصحیفة الصحیحة" ہے، مگر چونکہ اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد ہمام بن مُنبّہ کے لئے تألیف کیا تھا اور انہی نے اس کی روایت کی ہے، اس لئے ڈاکٹر صاحب موصوف نے اسے "صحیفۂ ہمام بن مُنبّہ" کے نام سے شائع کیا ہے۔ حدیث کی جو کتابیں اس وقت دستیاب ہیں یہ ان میں

---

(۱) یہ سب تفصیل مقدمہ صحیفۂ ہمام بن مُنبّہ ص:۵۱ تا ۷۲ سے مأخوذ ہے۔

قدیم ترین تألیف ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی وفات تقریبا ۵۸ھ میں ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تألیف ان کی وفات سے پہلے ہی کی ہے۔

حیرت ناک حافظے

۴:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حافظے کی شہرت دیکھ کر ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے گورنر مروان بن الحکم نے ان کا امتحان اس طرح لیا کہ ایک دن انہیں بلایا، اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد حدیثیں پوچھنی شروع کیں، پردے کے پیچھے ایک کاتب بٹھادیا تھا، جو حضرت ابو ہریرہؓ کی بیان کردہ حدیثیں خفیہ طور پر لکھتا جاتا تھا، کاتب کا بیان ہے کہ: مروان پوچھتا جاتا تھا اور میں لکھتا جاتا تھا، اس طرح بہت سی حدیثیں ہوگئیں، پھر مروان نے سال بھر خاموش رہنے کے بعد انہیں دوبارہ بلایا اور مجھے پردے کے پیچھے بٹھادیا، وہ پوچھتا گیا اور میں پچھلے سال کی تحریر کو دیکھتا گیا، انہوں نے نہ ایک حرف زیادہ کیا، نہ ایک حرف کم۔ (۱)

اِس واقعے سے نہ صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حیرت ناک حافظے کا پتہ چلتا ہے، بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کی بیان کردہ بہت سی حدیثیں مروان کے حکم سے لکھی گئیں اور ان کا ایک مرتبہ اصل سے مقابلہ بھی کرلیا گیا۔

۵:- حضرت ابنِ عباسؓ

انہوں نے جس لگن اور جانفشانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں یاد کی تھیں، اس کے واقعات معروف ومشہور ہیں، کتابتِ حدیث کے میدان میں بھی ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں، کچھ اندازہ ان مثالوں سے ہوگا:-

۱:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کے متعلق عہدِ رسالتؐ کے بیان میں پیچھے ذکر آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) مقدمہ صحیفۂ ہمام بن مُنَبِّہ ص:۵۰ (بحوالہ کتاب الکنیٰ للبخاری ص:۳۴۳)۔ والسنۃ قبل التدوین ص:۳۱۳، بحوالہ تقیید العلم للخطیب ص:۴۱، والاصابۃ ج:۷ ص:۲۰۲۔

نے ان کو بھی حدیثیں لکھنے کی اجازت دی تھی، حضرت ابنِ عباسؓ کا معمول[1] تھا کہ:-

یَـأْتِـیْ اَبَـا رَافِعٍ فَیَقُوْلُ: مَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ کَذَا. مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ مَنْ یَّکْتُبُ مَا یَقُوْلُ.

ترجمہ:- وہ ابورافعؓ کے پاس جاتے اور پوچھتے کہ: فلاں دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا عمل فرمایا تھا؟ ابنِ عباسؓ کے ساتھ ایک شخص ہوتا تھا جو ابورافعؓ کی بیان کی ہوئی باتوں کو لکھتا جاتا تھا۔

حضرت ابورافع کی بیوی سلمیٰ[2] کا بیان ہے کہ:-

رَأَیْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ مَعَہٗ اَلْوَاحٌ یَّکْتُبُ عَلَیْھَا مِنْ اَبِیْ رَافِعٍ شَیْئًا مِّنْ فِعْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ:- میں نے ابنِ عباسؓ کو دیکھا کہ اُن کے پاس کچھ تختیاں ہیں جن پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ افعال ابورافعؓ سے لکھ کر نقل کر رہے تھے۔

آپؓ کی تالیفات

۲:- اِسی علمی ذوق وشوق کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت اتنی تالیفات چھوڑیں کہ ایک اُونٹ پر لادی جاسکتی تھیں۔ یہ کتابیں ان کے آزاد کردہ غلام کریب بن ابی مسلم کے پاس محفوظ تھیں جو حضرت ابنِ عباسؓ کے صاحبزادے علی بن عبداللہ کی موقع بہ موقع فرمائش پر یہ کتابیں نقل کر کے ان کے پاس بھیجتے تھے۔ [3]

اِن تالیفات کے نسخے

۳:- معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ کی تالیفات کے نسخے اُن کی

(۱) تدوینِ حدیث ص:۴۲۶ (بحوالہ الکتانی بروایت مسندِ رویانی)۔

(۲) طبقاتِ ابنِ سعد ج:۲ ص:۱۷۱ جزو:۷۔

(۳) طبقاتِ ابنِ سعد ج:۵ ص:۲۹۳ جزو:۱۸، ''کریب بن ابی مسلم''۔

حیات ہی میں دُوسرے شہروں میں پہنچ چکے تھے، اور لوگ وہ نسخے اس غرض سے ان کی خدمت میں لاتے تھے کہ ان کا باقاعدہ درس آپؓ سے حاصل کریں اور نقل میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اِصلاح کرالیں۔ ان کے شاگرد عکرمہؒ کا بیان[1] ہے کہ: طائف کے کچھ لوگ ابنِ عباسؓ کے پاس انہی کی کتابوں میں سے ایک کتاب (كِتَابًا مِّنْ كُتُبِهٖ) لے کر آئے (تاکہ یہ لکھی ہوئی حدیثیں ان سے پڑھوا کر براہِ راست سن لیں اور نقل کا مقابلہ اصل سے ہوجائے) مگر ابنِ عباسؓ نے (غالبًا بینائی کی کمزوری کے باعث) پڑھنے سے عذر کیا اور فرمایا کہ:-

فَاقْرَءُوْا عَلَيَّ فَاِنَّ اِقْرَارِيْ بِهٖ كَقِرَاءَتِيْ عَلَيْكُمْ.

ترجمہ:- تم ہی پڑھ کر مجھے سنادو، کیونکہ تم سے سن کر میرا اس کتاب کی توثیق کردینا ایسا ہی ہے جیسے میں نے خود پڑھ کر تمہیں سنائی ہو۔

۴:- معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالتؐ کے جو نوشتے ان کو دستیاب ہوئے وہ بھی انہوں نے اپنی کتابوں کے ساتھ محفوظ کرلئے تھے۔ واقدی جو سیرتِ نبویؐ کے ابتدائی مصنّفین میں سے ہیں، وہ ابنِ عباسؓ کے شاگرد عکرمہ کا بیان نقل کرتے ہیں[2] کہ:-

منذر بن ساویٰ رئیسِ عمان کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گرامی نامہ بھیجا تھا وہ ابنِ عباسؓ کی کتابوں کے ساتھ مجھے ملا، جس کی میں نے نقل تیار کی۔

روایتِ حدیث بذریعۂ خط و کتابت

۵:- حضرت ابنِ عباسؓ نے بہت سی احادیث کی روایت بذریعہ خط و کتابت بھی فرمائی ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

---

(۱) جامع ترمذی، کتاب العلل ج:۲ ص:۲۶۱۔

(۲) زاد المعاد ج:۳ ص:۶۱۔

الف:- ابن ابی مُلیکہ جو طائف کے قاضی تھے،[1] فرماتے ہیں[2] کہ: ابنِ عباسؓ نے میرے پاس یہ حدیث لکھ کر بھیجی کہ:-

اِنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَضٰی بِالْیَمِیْنِ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ.

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ: یمین (حلف) مدعا علیہ کے ذمہ ہے۔

پیچھے بیان ہوا ہے کہ قاضی ابنِ ابی مُلیکہ ہی کی درخواست پر آپؓ نے حضرت علیؓ کے منتخب عدالتی فیصلے بھی نقل کر کے ان کے پاس بھیجے تھے۔[3]

ب:- حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں خوارج میں سے ایک شخص نجدۃُ الحرُوری نے حضرت ابنِ عباسؓ سے جہاد اور غنیمت وغیرہ کے متعلق پانچ مسائل لکھ کر دریافت کئے اور پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ان مسائل میں کیا تھا؟ حضرت ابنِ عباسؓ نے ان مسائل کا جواب لکھ کر اُسے بھیجا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو عمل تھا، وہ مفصل تحریر فرمایا۔[4]

ج:- عراق کے گورنر حجاج بن یوسف نے زنا بالجبر کے متعلق حضرت ابنِ عباسؓ سے ایک فتویٰ پوچھا تو آپؓ نے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث لکھ کر بھیجی۔[5]

شاگردوں کو کتابتِ حدیث کی تلقین

۶:- حضرت ابنِ عباسؓ خود تو کتابتِ حدیث کی یہ خدمات اتنے بڑے

---

(۱) تدوینِ حدیث ص:۴۷۸۔

(۲) سننِ ابی داؤد ج:۲ ص:۵۱۰، کتاب القضاء، باب الیمین علی المدعیٰ علیہ۔

(۳) مقدمہ صحیح مسلم ج:۱ ص:۱۰۔

(۴) صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۱۶، ۱۱۷ میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

(۵) السنۃ قبل التدوین ص:۲۱۹۔

پیمانے پر انجام دے ہی رہے تھے، اپنے شاگردوں کو بھی تلقین[1] فرماتے تھے کہ:-

قَیِّدُوا الْعِلْمَ بِالْکِتَابِ. علم کو لکھ کر محفوظ کرلو۔

اور حضرت علیؓ کی طرح یہ بھی اعلان[2] فرماتے تھے کہ: "مَنْ یَّشْتَرِیْ مِنِّیْ عِلْمًا بِدِرْهَمٍ؟" (کون ہے جو مجھ سے ایک درہم کے بدلے میں علم خریدے؟) یعنی کاغذ خرید کر لائے اور مجھ سے حدیثیں سن کر لکھ لے۔

اِن کے ایک شاگرد عَنتَرہ[3] فرماتے ہیں کہ:-

حَدَّثَنِی ابْنُ عَبَّاسٍ بِحَدِیْثٍ فَقُلْتُ: اَکْتُبُهٗ عَنْکَ؟ قَالَ: فَرَخَّصَ لِیْ.

ترجمہ:- ابنِ عباسؓ نے مجھے ایک حدیث سنائی، میں نے کہا: یہ حدیث میں آپ کے حوالے سے اپنے پاس لکھ لوں؟ تو آپ نے مجھے اجازت دے دی۔

تفسیرِ قرآن کا اِملاء

۷:- حضرت ابنِ عباسؓ نے اپنے شاگرد مجاہد بن جبر کو تفسیرِ قرآن بھی اِملاء کرائی تھی۔[4]

شاگردوں کا ذوق وشوق

۸:- اسی ترغیب اور ہمت افزائی کا نتیجہ تھا کہ شاگرد ان سے سنی ہوئی، حدیثیں فوراً لکھ لیتے، اور اس میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے تھے۔ حضرت سعید

---

(۱) جامع بیان العلم ج:۱ ص:۷۲۔

(۲) السنۃ قبل التدوین ص:۲۱۹، بحوالہ کتاب العلم لزہیر بن حرب ص:۱۹۳۔

(۳) سننِ دارمی ج:۱ ص:۱۰۶ حدیث نمبر:۵۱۰ (باب:۴۳)، یہی روایت اختصار کے ساتھ جامع بیان العلم میں بھی ہے۔ دیکھئے: ج:۱ ص:۷۳۔

(۴) السنۃ قبل التدوین ص:۳۱۹، بحوالہ تفسیرِ طبری۔ پھر مجاہدؒ کے بارے میں بھی یہ ذکر ملتا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو تفسیر اِملاء کرایا کرتے تھے۔ دیکھئے: دارمی ج:۱ ص:۱۰۶ باب:۴۳۔

بن جبیرؒ جو مشہور تابعی ہیں اور ابنِ عباسؓ کے مخصوص شاگرد ہیں، اپنا حال[۱] بیان کرتے ہیں کہ:-

كُنْتُ اَسِيْرُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ لَيْلًا، وَكَانَ يُحَدِّثُنِيْ بِالْحَدِيْثِ فَاَكْتُبُهُ فِيْ وَاسِطَةِ الرَّحْلِ حَتّٰى اُصْبِحَ فَاَكْتُبُهُ.

ترجمہ:- میں رات کو مکہ کے راستے میں ابنِ عباسؓ کے ساتھ سفر کرتا اور وہ مجھے حدیث سناتے رہتے، میں فوراً اسے پالان (یا کجاوے) کے اگلے حصے پر لکھ لیتا، اور صبح ہوتے ہی اسے نقل کر لیتا تھا۔

یہ تو سفر کا حال تھا، مجلس میں غلبۂ شوق ملاحظہ ہو، فرماتے[۲] ہیں کہ:-

كُنْتُ اَجْلِسُ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَاَكْتُبُ فِي الصَّحِيْفَةِ حَتّٰى تَمْتَلِئَ ثُمَّ اُقَلِّبُ نَعْلَيَّ فَاَكْتُبُ فِيْ ظُهُوْرِهِمَا.

ترجمہ:- میں ابنِ عباسؓ کے سامنے بیٹھ کر صحیفے میں لکھتا رہتا، یہاں تک کہ وہ بھر جاتا، پھر میں اپنے دونوں جوتوں کو پلٹ کر ان کے اُوپر کے حصے پر (بھی) لکھ لیتا تھا۔

۶:- حضرت جابر بن عبداللہؓ

جن صحابہ کرامؓ کی وفات مدینہ منوّرہ میں ہوئی، یہ ان میں سب سے آخری صحابی ہیں، مسجدِ نبوی میں ان کا ایک حلقۂ درس تھا، جس میں لوگ ان سے علم حاصل کرتے تھے، کثیر التعداد محدثین نے جن میں مشہور ائمۂ حدیث بھی ہیں، ان سے احادیث روایت کی ہیں۔[۳]

---

(۱) دارمی ج:۱ ص:۱۰۵ باب:۴۳ حدیث نمبر: ۵۰۵۔

(۲) دارمی حدیث نمبر:۵۰۶، والمحدث الفاصل ص:۳۷۱، ۳۷۴۔

(۳) تہذیب التہذیب ج:۲ ص:۴۲، ۴۳ نمبر:۶۷ (ذکر جابرؓ)۔

صرف ایک حدیث کے لئے مدینہ سے شام کا سفر

علمِ حدیث میں ان کے شغف کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ مدینہ منورہ میں ان کو معلوم ہوا کہ ملکِ شام میں ایک صحابی (عبداللہ بن اُنیسؓ) یومِ حشر کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ایک حدیث سناتے ہیں (جو حضرت جابرؓ نے براہِ راست نہیں سنی تھی)، اِنہوں نے ایک اُونٹ خریدا اور اس پر مہینہ بھر کی مسافت قطع کر کے شام پہنچے اور ان سے وہ[1] حدیث سنی اور وجہ یہ بتائی کہ مجھے خوف ہوا کہیں یہ حدیث سنے بغیر ہی مجھے موت نہ آجائے۔[2]

تدریس کے ساتھ کتابت و تألیف کا مشغلہ بھی رہتا تھا، ربیع بن سعدؓ کا بیان[3] ہے کہ:-

رَأَیْتُ جَابِرًا یَکْتُبُ عِنْدَ ابْنِ سَابِطٍ فِیْ اَلْوَاحٍ.

ترجمہ:- میں نے جابرؓ کو دیکھا کہ ابن سابط کے پاس تختیوں میں لکھ رہے ہیں۔

احادیث کی کتابت و تألیف کے میدان میں انہوں نے جو گراں قدر کارنامے چھوڑے ہیں ان کی تفصیل تو بہت ہے، یہاں خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔

آپؓ کی تألیفات

۱:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کی تفصیلات بہت سے صحابہ کرامؓ نے بیان کیں جو حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں، مگر جس دقتِ نظر اور تفصیل کے ساتھ حجۃ الوداع کا حال حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے، شاید کسی نے نہیں کیا، امام مسلمؒ نے ان کا یہ پورا بیان کتاب الحج میں[4] بعینہٖ نقل کیا ہے، یہ حضرت

---

(۱) صحیح بخاری مع فتح الباری ج:۱ ص:۱۵۸، کتاب العلم، باب الخروج لطلب العلم۔

(۲) فتح الباری ج:۱ ص:۱۵۹۔

(۳) جامع بیان العلم ج:۱ ص:۷۲۔

(۴) باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص:۳۹۴ تا ۴۰۰۔ ....(باقی اگلے صفحے پر)

جابرؓ کی اتنی طویل روایت ہے کہ صحیح مسلم کے سات صفحات میں آئی ہے۔ حافظ شمس الدین ذہبیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابرؓ نے حجۃ الوداع کی تفصیلات پر مشتمل ایک رسالہ تالیف کیا تھا، اور امام مسلمؒ نے اُسی کو روایت کیا ہے، کیونکہ حافظ ذہبیؒ اِن کے حالات میں فرماتے ہیں کہ:-[1]

وَلَهُ مَنسِکٌ صَغِیرٌ فِی الْحَجِّ اَخْرَجَهُ مُسْلِم.

ترجمہ:- حج کے متعلق ان کا ایک چھوٹا سا ''منسک'' ہے جسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

صحیفۂ جابرؓ

۲:- حدیث و تاریخ کی کتابوں میں ان کی ایک اور تالیف کا ذکر ''صحیفۂ جابرؓ'' کے نام سے جابجا ملتا ہے، مثلاً مشہور حافظِ حدیث قتادہ[2] فرماتے ہیں کہ:-

لَاَنَا لِصَحِیفَةِ جَابِرٍ اَحْفَظُ مِنِّیْ لِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ.

ترجمہ:- مجھے جتنی پختہ سورۂ بقرہ یاد ہے، اُس سے بھی زیادہ ''صحیفۂ جابرؓ'' یاد ہے۔

قتادہؒ کا حافظہ

قتادہؒ نابینا تھے، مگر حافظہ ایسا قوی تھا کہ جو بات ایک مرتبہ سن لیتے حفظ یاد ہوجاتی تھی، حافظ ابنِ حجرؒ نے ان کے حافظے کے حیرت ناک واقعات لکھے ہیں، وہیں[3] یہ بھی لکھا ہے کہ: ''یہ صحیفۂ جابرؓ بھی انہوں نے صرف ایک مرتبہ سن کر یاد کرلیا تھا۔''

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)......علامہ ابوبکر بن المنذرؒ نے اس روایت کی شرح اپنی ایک مستقل تصنیف میں کی ہے جس میں ڈیڑھ سو سے زیادہ فقہی مسائل کا استنباط کیا ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ: اگر مزید غور و فکر سے کام لیا جائے تو اس حدیث سے اتنے ہی اور مسائل مستنبط کئے جاسکتے ہیں۔ (شرح نووی، مقامِ مذکور)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج:۱ ص:۴۱۔

(۲) تہذیب التہذیب ج:۸ ص:۳۵۳ نمبر:۶۳۵ (ذکر قتادۃ)۔

(۳) تہذیب التہذیب ج:۸ ص:۳۵۵، نیز تذکرۃ الحفاظ ج:۱ ص:۱۱۶۔

مشہور حافظِ حدیث معمر بن راشدؒ جو ہمام بن مُنبّہؒ کے شاگرد ہیں، انہوں نے بھی ''صحیفۂ جابرؓ'' کے حوالے سے حدیثیں روایت کی ہیں جو مصنّف عبدالرزاق میں اسی حوالے سے ملتی ہیں۔(۱) ان حدیثوں کا تعلق مسائلِ حج سے نہیں ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ''صحیفۂ جابرؓ'' اُس مختصر رسالے کے علاوہ ہے جو حضرت جابرؓ نے حج کے متعلق تألیف فرمایا تھا۔

۳:- حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایات کا ایک صحیفہ ان کے ایک شاگرد وہب بن مُنبّہ (ہمام بن مُنبّہ کے بھائی) نے قلم بند کیا تھا، جو اسماعیل(۲) بن عبدالکریمؒ کے پاس تھا اور وہ اس کی حدیثیں روایت کیا کرتے تھے، یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ وہی صحیفہ ہے جو ''صحیفۂ جابرؓ'' کے نام سے معروف ہے یا اس کے علاوہ ہے۔

۴:- حضرت جابرؓ کے ایک اور شاگرد سلیمان بن قیس الیشکریؒ جو اُستاذ کی حیات ہی میں انتقال فرماگئے تھے، انہوں نے بھی حضرت جابرؓ کی روایات کا ایک صحیفہ تحریر کیا تھا، ابوالزبیرؒ و ابوسفیانؒ اور شعبیؒ جیسے ائمۂ حدیث جو حضرت جابرؓ کے براہِ راست شاگرد ہیں، انہوں نے جتنی حدیثیں حضرت جابرؓ سے روایت کی ہیں، حافظ ابنِ حجرؒ نے صراحت کی ہے کہ: ''وہ اکثر اِسی صحیفے کی ہیں۔''(۳)

نیز حضرت حسن بصریؒ نے جتنی حدیثیں حضرت جابرؓ سے روایت کیں وہ بھی سب ان کی کتاب(۴) سے مأخوذ ہیں۔

۵:- حضرت عبداللہ بن محمد بن عقیلؒ، جو حضرت علیؓ کے بھتیجے بھی ہیں اور نواسے بھی، وہ فرماتے ہیں(۵) کہ: میں اور ابوجعفر (یعنی امام باقرؒ جو حضرت علیؓ کے پڑپوتے ہیں) جابر بن عبداللہؓ کے پاس جایا کرتے تھے، ہمارے ساتھ چھوٹی تختیاں

---

(۱) مثلاً دیکھئے: مصنّفِ عبدالرزاق، ج:۱۱ ص:۱۸۳ حدیث نمبر:۲۰۲۷۷، باب الذنوب۔

(۲) تہذیب التہذیب ج:۱ ص:۳۱۵ نمبر:۵۷۴۔

(۳) تہذیب التہذیب ج:۴ ص:۲۱۵ نمبر:۳۶۹۔

(۴) تہذیب التہذیب ج:۲ ص:۲۶۷ نمبر:۴۸۸ (ذکر الحسن البصری)۔

(۵) المحدث الفاصل ص:۳۷۰، ۳۷۱۔

ہوتی تھیں، ہم ان پر حدیث لکھا کرتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی ہوئی حدیثوں پر مشتمل کم از کم چار یا پانچ تالیفات عہدِ صحابہؓ میں تیار ہوچکی تھیں۔

کچھ اور نوشتے

۶:- ان تالیفات کے علاوہ ان کی کچھ اور روایات بھی کتبِ حدیث میں اِکا دُکا ملتی ہیں جو عہدِ صحابہؓ ہی میں قلم بند کی گئیں، دو مثالیں ملاحظہ ہوں:-

الف:- مسلم کی روایت ہے کہ ان کے ایک شاگرد عطاء بن ابی رباحؒ نے ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا اور یزید بن حبیبؒ[1] کو لکھ کر بھیجا کہ:-

اِنَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ حَرَّمَ بَیْعَ الْخَمْرِ وَالْمَیْتَةِ وَالْخِنْزِیْرِ وَالْاَصْنَامِ، فَقِیْلَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! أَرَأَیْتَ شُحُوْمَ الْمَیْتَةِ؟ فَاِنَّہٗ یُطْلٰی بِھَا السُّفُنُ وَتُدْھَنُ بِھَا الْجُلُوْدُ وَیَسْتَصْبِحُ بِھَا النَّاسُ؟ فَقَالَ: لَا! ھُوَ حَرَامٌ. ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِکَ: قَاتَلَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ! اِنَّ اللّٰہَ لَمَّا حَرَّمَ عَلَیْھِمْ شُحُوْمَھَا اَجْمَلُوْہُ ثُمَّ بَاعُوْہُ فَأَکَلُوْا ثَمَنَہٗ.

ترجمہ:- اللہ اور اس کے رسول نے خمر، مردار جانور، خنزیر اور بتوں کی فروخت کو حرام کیا ہے۔ اس پر آپؐ سے سوال کیا گیا کہ: مردار کی چربی کے متعلق وضاحت فرمایئے، کیونکہ کشتیوں اور چمڑوں پر اس کی پالش کی جاتی ہے اور لوگ اس سے چراغ بھی جلاتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! وہ حرام ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں یہ فرمایا کہ: اللہ

---

(۱) صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۳، باب تحریم بیع الخمر والمیتة .... الخ، کتاب المساقاة والمزارعة. حضرت عطاءؒ نے حدیث اپنے صاحبزادے کو بھی لکھوائی تھی، اور یہ لڑکوں کو کتابتِ حدیث کی ترغیب دیا کرتے تھے، جس کے پاس کاغذ نہ ہوتا اُسے کاغذ دیتے، اور جسے لکھنا نہ آتا، اُسے خود ہی لکھ دیا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو: المحدث الفاصل ص:۳۷۱، ۳۷۳۔

یہودیوں کو غارت کرے! جب اللہ نے مردار کی چربی کو ان پر
حرام کیا تو انہوں نے اُسے پگھلاکر فروخت کردیا اور اس کی
قیمت لے کر کھا گئے۔

ب:- صحیح مسلم ہی کی روایت ہے کہ مدینہ منورہ کے گورنر طارق نے حضرت جابرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سن کر اس کے مطابق ایک متنازعہ مکان کے ہبہ کا فیصلہ کیا، پھر طارق نے یہ حدیث لکھ کر خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان کے پاس بھیجی۔[۱]

۷:- حضرت سمرۃؓ بن جندبؓ

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ نے احادیث کا ایک رسالہ اپنے بیٹوں کے لئے تالیف کیا تھا۔ مشہور تابعی ابنِ سیرینؒ فرماتے ہیں کہ: اس میں ''علمِ کثیر'' پایا جاتا ہے۔[۲] یہ رسالہ حضرت سمرہؓ کے صاحبزادے سلیمان کے پاس تھا، پھر ان کے صاحبزادے حبیب بن سلیمان کے پاس منتقل ہوگیا۔ یہ دونوں باپ بیٹے اس کی حدیثیں روایت کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ خاصا ضخیم تھا، کیونکہ حافظ ابنِ حجرؒ نے متعدّد مقامات پر اسے ''نسخۃً کبیرۃً'' (ایک بڑا رسالہ) کہا ہے۔[۳]

ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں کہ: حسن بصریؒ نے بھی یہ ''نسخۂ کبیرہ'' روایت کیا ہے، اور اس کی اکثر حدیثیں سننِ اربعہ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابنِ ماجہ) میں آگئی ہیں۔[۴] بلکہ یحییٰ بن سعید قطانؒ کا تو کہنا ہے کہ: حسن بصریؒ نے جتنی حدیثیں سمرۃ بن جندبؓ سے روایت کی ہیں وہ سب ''کتاب'' سے مأخوذ ہیں۔[۵]

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۸، باب العمریٰ، کتاب الہبات۔

(۲) تہذیب التہذیب ج:۴ ص:۲۳۶ نمبر:۴۰۱ (ذکر سمرۃ بن جندب)۔

(۳) تہذیب التہذیب ج:۴ ص:۱۹۸ نمبر:۳۳۵ (ذکر سلیمان بن سمرہ)، و ج:۲ ص:۲۶۹ نمبر:۴۸۸ (ذکر الحسن البصری)۔

(۴) تہذیب التہذیب ج:۲ ص:۲۶۹ نمبر:۴۸۸۔

(۵) حوالۂ بالا وطبقاتِ ابنِ سعد ج:۷ ص:۱۵۷۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بصرہ میں رہتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے نماز کے مسئلے کے متعلق لوگوں کو ایک حدیث سنائی، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو اس میں اِشکال ہوا (کہ شاید روایت میں کچھ غلطی ہوگئی ہو)، لوگوں نے یہ حدیث لکھ کر حضرت اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ بھیجی، تو انہوں نے حضرت سمرہؓ کی تصدیق فرمائی۔ (۱)

۸:- حضرت سعد بن عبادہؓ

یہ زمانۂ جاہلیت سے لکھنے کے عادی تھے، انہوں نے بھی حدیث کی ایک کتاب لکھی تھی، جو ان کے بیٹے کے پاس تھی، اس کتاب کی ایک حدیث ترمذی نے بھی نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں (۲):-

قَالَ رَبِيعَةُ: اَخبَرَنِي ابنٌ لِّسَعدِ بنِ عُبَادَةَ قَالَ: وَجَدْنَا فِيْ كِتَابِ سَعدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ.

ترجمہ:- ربیعہ کہتے ہیں کہ مجھے سعد بن عبادہؓ کے ایک بیٹے نے بتایا کہ: ہم نے سعد (اپنے والد) کی کتاب میں یہ حدیث دیکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہ کے ساتھ حلف پر فیصلہ فرمایا۔

۹:- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

ان کو جو قرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رہا، معروف ہے۔ فقہاءِ صحابہؓ میں بھی ممتاز مقام رکھتے تھے، انہوں نے عہدِ رسالتؐ میں تو احادیث میں سے صرف دُعائے اِستخارہ اور تشہد ہی لکھی تھی (۳) لیکن بعد میں انہوں نے ایک کتاب تألیف فرمائی

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: سنن ابوداؤد ج:۱ ص:۱۱۳، کتاب الصلوٰۃ، باب السکتة عند الافتتاح۔

(۲) جامع ترمذی ج:۱ ص:۱۹۴، باب ما جاء فی الیمین مع الشاھد، کتاب الاحکام۔

(۳) السنة قبل التدوین ص:۳۱۷، بحوالہ مصنف ابنِ ابی شیبہ ج:۱ ص:۱۱۵۔

تھی، اِن کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے وہ کتاب نکال کر معنؒ کو دکھائی اور قسم کھا کر بتایا کہ:-

اَنَّهُ خَطُّ اَبِيْهِ بِيَدِهٖ.

یہ میرے والد نے خود اپنے ہاتھ سے لکھی ہے۔

۱۰:- حضرت انسؓ

ان کا یہ کارنامہ عہدِ رسالتؐ کے بیان میں آچکا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث سنی تھیں، ان کے کئی مجموعے لکھ لئے تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سنا بھی دیئے تھے تاکہ مزید توثیق ہوجائے، بعد میں ان تحریری حدیثوں کو روایت کیا کرتے تھے، اور عہدِ صحابہؓ کے بیان کے آغاز میں یہ بھی بخاری کے حوالے سے نقل کیا جاچکا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک ''کتابُ الصدقہ'' لکھ کر ان کو دی تھی جو زکوٰۃ کے متعلق احادیثِ نبویہ پر مشتمل تھی، یہ کتاب بھی ان کے پاس محفوظ رہی، اور ان کے پوتے اسے روایت کرتے تھے۔

علومِ نبوّت کی تبلیغ و تدریس کے لئے حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں بصرہ منتقل ہوگئے تھے، جہاں ۹۳ھ یعنی ایک سو تین سال کی عمر میں وفات پائی۔ یہ بصرہ میں وفات پانے والے سب سے آخری صحابی ہیں[۱]، اس لئے ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو کثرتِ مال اور کثرتِ اولاد اور ہر چیز میں برکت کی دُعا دی تھی[۲]، جس کے اثرات ان کی ہر چیز میں نمایاں تھے۔ ان کی اولاد، پوتوں، پڑپوتوں سمیت اتنی زیادہ ہوئی کہ ایک سو بیس تو ان کی حیات ہی میں انتقال کرچکے تھے۔[۳]

---

(۱) تہذیب التہذیب ج:۱ ص:۳۷۸ نمبر:۶۹۰، ذکر انس بن مالکؓ۔

(۲) صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۹۸، باب فضائل انسؓ، کتاب الفضائل۔

(۳) شرح مسلم (نووی) ج:۲ ص:۲۹۹، فضائلِ انسؓ۔

کتابتِ حدیث کا اہتمام

خود تو بچپن ہی سے لکھنا جانتے تھے، دُوسروں[1] کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا کرتے تھے کہ:-

قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ. علم کو لکھ کر محفوظ کرلو۔

اور اپنے بیٹوں کو تاکید فرماتے تھے کہ[2]:-

يَا بَنِيَّ قَيِّدُوا هٰذَا الْعِلْمَ.

اے میرے بیٹو! اس علم کو قید (تحریر) میں لے آؤ۔

ان کے ایک شاگرد خالد بن خداش بغدادی کہتے ہیں کہ: میں حضرت انسؓ کے پاس سے رُخصت ہونے لگا تو میں نے درخواست کی کہ: کچھ نصیحت فرمادیجئے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ[3]:-

عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ وَكِتَابَةِ الْعِلْمِ مِنْ عِنْدِ اَهْلِهِ.

ترجمہ:- اِن چیزوں کی ہمیشہ پابندی کرو: تقویٰ جو ظاہر میں بھی ہو، باطن میں بھی، اور ہر مسلمان کے ساتھ خیرخواہی، اور اہلِ علم سے علم حاصل کرکے اُسے لکھنا۔

اِن کے ایک شاگرد اَبان نے بھی ان کی روایتیں قلم بند[4] کی تھیں، یہ حدیثیں اِملاء کرایا کرتے[5] تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہوئی حدیثیں لکھنے اور دُوسروں کو لکھوانے کا جو اہتمام فرمایا وہ تو تھا ہی، دُوسرے صحابہؓ سے حدیثیں سن کر قلم بند کرنے

---

(۱) جامع بیان العلم ج:۱ ص:۷۲، والمحدث الفاصل ص:۳۶۸۔

(۲) دارمی ج:۱ ص:۱۰۵ باب:۴۳ نمبر:۴۹۷، والمحدث الفاصل ص:۳۶۸۔

(۳) جامع بیان العلم ج:۱ ص:۷۴۔

(۴) سننِ دارمی ج:۱ ص:۱۰۵ باب:۴۳ نمبر:۴۹۸۔

(۵) السنۃ قبل التدوین ص:۳۲۰، بحوالہ تاریخ بغداد ج:۸ ص:۲۵۹۔

کا بھی کتنا شوق تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا کہ حضرت محمود بن الربیعؓ نے جو اِن سے کم عمر صحابی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ اور کچھ ارشادات ان کو سنائے، یہ سن کر بہت خوش ہوئے، خود فرماتے ہیں کہ: میں نے سنتے ہی اپنے بیٹے سے کہا[۱] :-

اُکْتُبْهُ، فَكَتَبَهُ. اِسے لکھ لو، چنانچہ اُس نے فوراً لکھ لیا۔

جب حدیثیں لکھنے اور لکھوانے کا ذوق وشوق اِس درجے میں ہو تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اِس کام میں انہوں نے کون سا دقیقہ چھوڑ دیا ہوگا؟

۱۱:- حضرت عائشہ صدیقہؓ

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علم وفضل کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے صحابہؓ ان سے فرائض اور فقہ کے پیچیدہ مسائل پوچھا کرتے تھے۔[۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیثیں ان کے ذریعہ اُمت کو پہنچیں ان کی تعداد محدثین نے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) بتائی ہے۔[۳]

روایتِ حدیث بذریعۂ خط وکتابت

انہوں نے خود کوئی مجموعۂ حدیث تحریر کیا تھا یا نہیں؟ یہ تو معلوم نہ ہوسکا، البتہ وقتاً فوقتاً لوگوں کی فرمائش پر ان کو حدیثیں لکھ کر بھیجتی رہی ہیں۔ دو مثالیں ملاحظہ ہوں:-

۱:- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ: مجھے کوئی مختصر سی نصیحت لکھ کر بھیج دیجئے۔ حضرت عائشہؓ نے جواب میں ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث لکھ کر بھیجی، خط کا متن[۴] یہ ہے:-

سَلَامٌ عَلَيْکَ، اَمَّا بَعْدُ، فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی

---

(۱) صحیح مسلم ج:۱ ص:۴۶، باب الدلیل علی من مات علی التوحید دخل الجنۃ، کتاب الایمان۔

(۲) تہذیب التہذیب ج:۱۲ ص:۴۳۵ نمبر:۲۸۴، ذکر عائشہؓ۔

(۳) تدوینِ حدیث ص:۶۸، وخطباتِ مدراس ص:۵۲۔

(۴) مشکوۃ ج:۲ ص:۴۳۵، بابُ الظلم، کتاب الآداب، بحوالہ ترمذی۔

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: مَنِ الْتَمَسَ رِضَی اللّٰہِ بِسَخَطِ النَّاسِ کَفَاہُ اللّٰہُ مُؤْنَۃَ النَّاسِ، وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَی النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰہِ وَکَّلَہُ اللّٰہُ اِلَی النَّاسِ. وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ.

ترجمہ:- السلام علیکم! اما بعد، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو شخص اللہ کو راضی کرنے کے لئے لوگوں کی ناراضگی مول لیتا ہے، لوگوں کی (پیدا کی ہوئی) مشکلات میں اللہ اس کے لئے کافی ہوجاتا ہے، اور جو شخص لوگوں کو خوش کرنے کے لئے اللہ کی ناراضگی مول لیتا ہے، اللہ اسے اُنہی لوگوں کے حوالے کردیتا ہے۔ والسلام۔

۲:- مسلم کی روایت ہے کہ ابنِ زیاد(۱) نے حضرت عائشہؓ سے خط لکھ کر یہ مسئلہ پوچھا کہ جو شخص حج کو نہ جائے مگر قربانی کا جانور حرمِ مکہ میں ذبح کرنے کے لئے بھیجے تو کیا جانور ذبح ہونے تک اس شخص پر وہ تمام چیزیں حرام ہوجاتی ہیں جو حالتِ اِحرام میں ممنوع ہیں؟

حضرت اُمّ المؤمنینؓ نے اس کے جواب میں یہ حدیث(۲) لکھ کر بھیجی کہ:-

اَنَا فَتَلْتُ قَلَائِدَ ھَدْیِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدَیَّ ثُمَّ قَلَّدَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِہٖ ثُمَّ بَعَثَ بِھَا مَعَ اَبِیْ، فَلَمْ یَحْرُمْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْءٌ اَحَلَّہُ اللّٰہُ لَہٗ حَتّٰی نُحِرَ الْھَدْیُ.

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانی کے جانوروں کے لئے ہار میں نے اپنے ہاتھ سے بٹے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار اُن کو پہنائے، پھر میرے والد (ابوبکرؓ) کے

---

(۱) علامہ نوویؒ شارحِ مسلم فرماتے ہیں کہ: یہ واقعہ ابنِ زیاد کا نہیں بلکہ اس کے والد زیاد بن ابی سفیان کا ہے۔

(۲) صحیح مسلم ج:۱ ص:۴۲۵، کتاب الحج، باب استحباب بعث الھدی الی الحرم ....الخ۔

ساتھ وہ جانور روانہ کیے، اس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی کوئی چیز حرام نہیں ہوئی جسے اللہ نے ان کے لئے حلال کیا تھا، یہاں تک کہ جانوروں کی قربانی (حرمِ مکہ میں) کردی گئی۔

آپؓ کی مرویات کے تحریری مجموعے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث انہوں نے روایت کی ہیں، ان کا کوئی مجموعہ انہوں نے خود تألیف کیا ہو یا نہ کیا ہو، تاہم حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی روایت کی ہوئی تمام حدیثیں ان کے تین مخصوص شاگردوں عروہ، عمرہ اور قاسم کے ذریعہ عہدِ صحابہؓ ہی میں بہ قیدِ تحریر لائی جاچکی تھیں۔ اِن تینوں کے متعلق ابنِ عیینہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عائشہؓ کی احادیث کا علم سب سے زیادہ انہی کے پاس تھا۔[۱]

عروہ جو حضرت عائشہؓ کے حقیقی بھانجے تھے، انہوں نے اپنی خالہ کی روایت کی ہوئی سب حدیثیں ان کی زندگی ہی میں محفوظ کرلی تھیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ:-

> میں حضرت عائشہؓ کے انتقال سے چار یا پانچ سال پہلے سوچا کرتا تھا کہ اگر ان کا آج انتقال ہوجائے تو مجھے اِس بات کی ندامت نہ ہوگی کہ کوئی حدیث جو ان کے پاس تھی میں نے محفوظ نہ کی۔

ان کا یہ اطمینان علاوہ قوتِ حافظہ کے اس وجہ سے بھی تھا کہ یہ حضرت عائشہؓ سے حدیثیں سن کر لکھ لیا کرتے تھے،[۲] اور یہ بھی روایات سے ثابت ہے کہ انہوں نے کئی کتابیں تألیف کرلی تھیں، جو بعد میں ایک غلط فہمی کی وجہ سے جنگِ حرہ کے موقع پر جلادیں، بعد میں پچھتایا کرتے تھے کہ: کاش! میں اپنے بال بچوں اور مال و اسباب کو ان کتابوں پر فدا کردیتا۔[۳] اگرچہ اس واقعے میں یہ صراحت نہیں کہ ان کی لکھی ہوئی

---

(۱) تہذیب التہذیب ج:۷ ص:۱۸۲ نمبر:۳۵۱، وج:۸ ص:۴۳۴ نمبر:۶۰۱۔

(۲) السنۃ قبل التدوین ص:۳۱۸، بحوالہ الکفایۃ ص:۲۰۵۔

(۳) حوالۂ بالا، وجامع بیان العلم ج:۱ ص:۷۵۔

سب کتابیں حضرت عائشہؓ کی مرویات پر مشتمل تھیں، مگر اُوپر کے بیان سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کتابوں میں اگرچہ دُوسرے صحابہؓ کی مرویات بھی ہوں مگر حضرت عائشہؓ کی تو سب ہی مرویات انہوں نے لکھ لی ہوں گی، کیونکہ انہوں نے سب سے زیادہ علم انہی سے حاصل کیا تھا۔ حضرت عروہؓ نے ایک کام یہ کیا تھا کہ غزوۂ بدر کا مفصل حال لکھ کر خلیفہ عبدالملک کے پاس بھیجا تھا۔ (۱)

عمرہ بنتِ عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد بھی حضرت عائشہؓ کی اولاد کے درجے میں تھے، کیونکہ عمرہ بنتِ عبدالرحمٰن کو انہوں نے بچپن ہی سے پالا اور خود ہی تعلیم و تربیت کی تھی، (۲) اور قاسم بن محمد حضرت عائشہؓ کے بھتیجے تھے، بچپن میں یتیم ہوگئے تو پھوپھی (حضرت عائشہؓ) نے ان کی پرورش اور تعلیم وتربیت فرمائی تھی۔ (۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا فرمان

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (وفات رجب ۱۰۱ھ) نے احادیث کی سرکاری سطح پر باقاعدہ تدوین کا آغاز فرمایا تو ابوبکر (۴) بن محمد بن عمرو بن حزم کو فرمان (۵) بھیجا:-

اَنْ یَّکْتُبَ لَهٗ اَحَادِیْثَ عَمْرَةَ.

ترجمہ:- کہ عمرہ کی روایت کی ہوئی حدیثیں لکھ کر میرے پاس بھیجو۔

بلکہ مولانا مناظر احسن گیلانی صاحبؒ نے ابنِ حجرؒ کے حوالے سے اس فرمان کے الفاظ یہ نقل کئے ہیں کہ:-

---

(۱) خطباتِ مدراس ص:۶۱، بحوالہ طبری ۱۲۸۵۔

(۲) تذکرۃ الحفاظ ج:۱ ص:۱۰۶۔

(۳) تہذیب التہذیب ج:۸ ص:۳۳۴ نمبر:۶۰۱، وتذکرۃ الحفاظ ج:۱ ص:۹۱۔

(۴) یہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی طرف سے مدینہ منورہ کے عامل (گورنر) اور قاضی تھے۔ فتح الباری ج:۱ ص:۱۷۴، باب کیف یقبض العلم، کتاب العلم۔ نیز یہ عمرہ بنتِ عبدالرحمٰن کے بھانجے بھی تھے۔ تدوینِ حدیث ص:۶۹۔

(۵) تہذیب التہذیب ج:۱۲ ص:۴۳۹ نمبر:۲۸۵۱، ذکر عمرہؒ۔

اَنْ يَّكْتُبَ لَهٗ مِنَ الْعِلْمِ مِنْ عِنْدِ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ وَالْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ.

ترجمہ:- کہ عمرہ بنتِ عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد کے پاس سے علم لکھ کر میرے پاس بھیجیں۔

معلوم ہوا کہ عمرہ اور قاسم دونوں ہی کی مرویات لکھ کر بھیجنے کا حکم دیا گیا تھا اور ان کے پاس علم کا سب سے بڑا سرمایہ حضرت عائشہؓ ہی کی مرویات تھیں۔

جس طرح کا فرمان ابوبکر بن حزم کو بھیجا گیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسی طرح کا فرمان پورے عالمِ اسلام کے اطراف واکناف میں بھیجا تھا، اور اِس طرح جو ذخیرۂ احادیث دارالخلافہ (دمشق) میں جمع ہوا، اس کی نقلیں تمام ممالکِ اسلامیہ میں روانہ کی گئیں۔[1]

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیثیں جو عروہؒ نے لکھی تھیں، اگرچہ باقی نہ رہیں، مگر عمرہؒ اور قاسمؒ کے ذریعے یہ عظیم الشان سرمایہ عہدِ صحابہؓ ہی میں قلم بند کرلیا گیا تھا، جو محفوظ رہا، اور عالمِ اسلام میں اُس کی نقلیں شائع ہوئیں۔

۱۲:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ

ان کے ذریعے جو حدیثیں اُمت کو پہنچیں، ان کی تعداد ایک ہزار چھ سو تیس ہے۔[2]

آپؓ کی کتابیں

ان کے پاس کئی کتابیں موجود تھیں، جو بظاہر انہی کی قلم بند کی ہوئی حدیثوں پر مشتمل تھیں، اپنی کتابوں کے ساتھ اِن کے شغف کا یہ حال بیان کیا گیا ہے[3] کہ:-

---

(۱) فتح الباری ج:۱ ص:۱۷۴۔

(۲) تدوینِ حدیث ص:۷۱۔

(۳) السنۃ قبل التدوین ص:۳۲۰، بحوالہ الآداب الشرعیہ ج:۱ ص:۱۲۵۔

اِنَّهٗ كَانَ لَا يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهٖ غَدْوَةً حَتّٰى يَنْظُرَ فِيْ كُتُبِهٖ.

ترجمہ:- یہ صبح کو اپنے گھر سے اس وقت تک نہ نکلتے تھے، جب تک اپنی کتابوں میں نظر نہ کرلیں۔

ان کتابوں کے علاوہ بھی متفرق طور پر حدیثیں لکھنے اور لکھوانے کے کئی واقعات ملتے ہیں، جن کے مجموعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی مرویات بھی عہدِ صحابہؓ میں خاصے بڑے پیمانے پر قلم بند ہوچکی تھیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

کتابتِ حدیث کا اہتمامِ بلیغ

۱:- ان کے پوتے عبدالحمید بن عبداللہؒ کے پاس ابنِ عمرؓ کی لکھی ہوئی ایک تحریر موجود تھی، جس میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے صدقے کا قصہ بیان کیا گیا تھا، غالباً یہ اسی زمین کے صدقے (وقف) کا قصہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ملی تھی اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے سے انہوں نے تحریری طور پر وقف کردی تھی، پیچھے عہدِ رسالتؐ کے بیان میں ''وقف نامے'' کے عنوان میں اس کی تفصیل آچکی ہے، بہرحال عہدِ رسالتؐ کا یہ پورا واقعہ ابنِ عمرؓ نے قلم بند کرلیا تھا۔ یحییٰ بن سعید انصاری فرماتے ہیں کہ: ابنِ عمرؓ کے پوتے عبدالحمید نے اس تحریر کی ایک نقل تیار کرکے مجھے دی، جس کے ابتدائی جملے(۱) یہ ہیں:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ،

هٰذَا مَا كَتَبَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ .... الخ.

ترجمہ:- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ وہ تحریر ہے جو عبداللہ بن عمرؓ نے لکھی .....الخ۔

روایتِ حدیث بذریعۂ خط و کتابت

۲:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ بذریعۂ خط و کتابت بھی روایتِ حدیث کرتے

---

(۱) تہذیب التہذیب ج:۶ ص:۱۱۸ نمبر:۲۳۸۔

تھے، آپؓ نے بشر بن مروان کو یہ حدیث لکھ کر بھیجی تھی[1] کہ:-

اِنِّی سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی.

ترجمہ:- میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: اُوپر کا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی مال دینے والا، لینے والے سے بہتر ہے)۔

۳:- حضرت ابنِ عمرؓ نے نہ صرف خود حدیثیں لکھیں، بلکہ اپنے شاگردوں کو بھی تلقین[2] فرماتے تھے کہ:-

قَیِّدُوْا ھٰذَا الْعِلْمَ بِالْکِتَابِ. اس علم کو لکھ کر محفوظ کرلو۔

شاگردوں میں کتابتِ حدیث کا ذوق وشوق

۴:- حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مخصوص شاگرد نافع کو بھی اپنی مرویات اِملاء کرائی تھیں، سُننِ دارمی[3] میں سلیمان بن موسیٰ کا بیان ہے کہ:-

رَاٰی نَافِعًا مَوْلٰی ابْنِ عُمَرَ یُمْلِیْ عِلْمَہٗ وَیَکْتُبُ بَیْنَ یَدَیْہِ.

ترجمہ:- انہوں نے ابنِ عمرؓ کے آزاد کردہ غلام نافع کو دیکھا کہ ابنِ عمرؓ انہیں اِملاء کراتے جاتے ہیں، اور نافع لکھتے جاتے ہیں۔

یہ نافع، حضرت ابنِ عمرؓ کے صرف آزادکردہ غلام ہی نہ تھے، بلکہ اُن کے خاص شاگرد تھے، تیس سال ان کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کیا۔ امام مالکؒ ابنِ عمرؓ کی جو روایتیں نافع کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں، امام بخاریؒ وغیرہ انہیں "اَصَحُّ الْاَسَانِیْد" (صحیح ترین سند) قرار دیتے تھے۔[4]

---

(۱) فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج:۳ ص:۶۰، بحوالہ کتاب العسا کر فی الصحابۃ۔

(۲) سُننِ دارمی ج:۱ ص:۱۰۵ باب:۴۳ حدیث نمبر:۵۰۴۔

(۳) ج:۱ ص:۱۰۶ باب:۴۳ حدیث نمبر:۵۱۳۔ یہ روایت طبقاتِ ابنِ سعد میں بھی قدرے لفظی فرق کے ساتھ آئی ہے۔

(۴) تذکرۃ الحفاظ ج:۱ ص:۹۴۔

۵:- نافع نے حضرت ابنِ عمرؓ کی دو حدیثیں لکھ کر ابنِ عون کو بھیجیں[1]، ایک میں دُشمنوں پر حملے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقِ کار بیان کیا گیا تھا، اور دُوسری حدیث میں یہ بیان تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں سے ہم کو مقررہ حصے کے علاوہ مزید انعام بھی دیا تھا۔

جب حضرت ابنِ عمرؓ نے خود حدیثیں کی کتابیں لکھی ہوں، شاگردوں کو اس کی تاکید کرتے، بلکہ خود اِملاء کراتے ہوں، اور شاگردوں کے ذوق وشوق کا یہ عالم ہو، جو اُوپر بیان ہوا تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ابنِ عمرؓ کی روایت کی ہوئی کون سی حدیث ایسی ہوگی جو لکھنے سے رہ گئی ہوگی؟

۶:- نافعؒ حضرت ابنِ عمرؓ کا یہ بیان نقل کرتے تھے کہ:-

> آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے غزوۂ اُحد کے موقع پر اپنے سامنے پیش کرایا، اس وقت میری عمر چودہ سال تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بچہ قرار دیا اور جہاد میں شرکت کی اجازت نہ دی، اور غزوۂ خندق میں کے موقع پر مجھے اپنے سامنے پیش کرایا تو اس وقت میری عمر پندرہ سال ہوچکی تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جہاد میں شرکت کی اجازت دے دی۔

نافعؒ کہتے ہیں کہ: عمر بن عبدالعزیزؒ جب خلیفہ ہوئے تو میں ان کے پاس گیا اور یہ حدیث سنائی، تو انہوں نے یہ سن کر اپنے تمام عاملوں (گورنروں) کو تحریری فرمان بھیج[2] دیا کہ جس کی عمر پندرہ سال ہو، غنیمت میں اس کو باقاعدہ حصہ دو، اور جس کی عمر اس سے کم ہو، اسے بچوں میں شمار کرو۔

۷:- مشہور تابعی سعید بن جبیرؒ کے متعلق پیچھے معلوم ہوچکا ہے کہ یہ حضرت ابنِ عباسؓ سے سنی ہوئی حدیثیں کتنی پابندی اور اہتمام سے بروقت لکھ لیا کرتے تھے،

---

(۱) صحیح مسلم ج:۲ ص:۸۱، ۸۶، باب جواز الاغارۃ علی الکفار .... الخ، وباب الانفال، کتاب الجہاد والسیر۔

(۲) صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۳۱، باب بیان سن البلوغ، کتاب الامارۃ۔

انہوں نے اپنا یہی حال حضرت ابنِ عمرؓ کے ساتھ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں[۱] کہ:-

كُنْتُ اَسْمَعُ مِنَ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ الْحَدِيْثَ بِاللَّيْلِ فَاَكْتُبُهٗ فِيْ وَاسِطَةِ الرَّحْلِ.

ترجمہ:- میں ابنِ عمرؓ اور ابنِ عباسؓ سے رات کو بھی حدیث سنتا تو فوراً اُسے پالان (یا کجاوے) کے اگلے حصے پر لکھ لیتا تھا۔

کتابتِ حدیث میں احتیاط

۸:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابوعبدالرحمٰن الحبلی نے ان کو یا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو ایک کتاب تصدیق و اصلاح کے لئے پیش کی جو حدیثوں پر مشتمل تھی اور درخواست[۲] کی کہ:-

اُنْظُرْ فِيْ هٰذَا الْكِتَابِ فَمَا عَرَفْتَ مِنْهُ اُتْرُكْهُ وَمَا لَمْ تَعْرِفْهُ اُمْحُهُ.

ترجمہ:- آپ اس کتاب کا مطالعہ فرمالیں، اور جو حدیث آپ کے نزدیک دُرست ہو، اُسے رہنے دیں، اور جو آپ کے نزدیک معتبر نہ ہو، اُسے حذف کردیں۔

اِس واقعے سے اور پیچھے بھی اس طرح کے جو بہت سے واقعات گزرے ہیں، اُن سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کتابتِ حدیث میں کتنی احتیاط برتی جاتی تھی کہ صرف لکھ لینے کو اس وقت تک کافی نہ سمجھا جاتا تھا جب تک کہ اُستاذ سے اُن کی تصدیق و اصلاح نہ کرالی جائے، شاگرد اپنی نظرِ ثانی کو بھی کافی نہ سمجھتے تھے، نیز تحریری حدیثیں روایت کرنا اس وقت تک جائز نہ سمجھا جاتا تھا جب تک کہ لکھنے والے اُستاذ سے وہ حدیثیں خود نہ سنی ہوں، یا اس نے انہیں روایت کرنے کی اجازت نہ دی ہو۔[۳]

---

(۱) دارمی ج:۱ ص:۱۰۵ باب:۴۳ حدیث نمبر:۵۰۱۔

(۲) فتح الباری ج:۱ ص:۱۴۲، کتاب العلم، باب مایذکر فی المناولۃ۔

(۳) اس مسئلے کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: نخبۃ الفکر مع نزھۃ النظر ص:۱۰۶ تا ۱۰۸۔

۱۳:- حضرت مغیرہ بن شعبہؓ

یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفے کے عامل (گورنر) تھے۔
بخاری و مسلم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ ان سے وقتاً فوقتاً فرمائش کیا کرتے تھے کہ: ''میرے پاس ایسی حدیث لکھ کر بھیجئے جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہو۔'' اور حضرت مغیرہؓ اپنے کاتب سے حدیث لکھوا کر ان کے پاس بھیج دیتے تھے۔ دو مثالیں ملاحظہ ہوں:-

روایتِ حدیث بذریعۂ خط و کتابت

۱:- ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ کی فرمائش پر انہوں نے اپنے کاتب ورّاد سے یہ حدیث[1] لکھوا کر بھیجی کہ:-

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا قَضَى الصَّلٰوةَ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ.

ترجمہ:- میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے بعد (بطور دُعا) یہ کہتے ہوئے سنا کہ: ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، حکومت اسی کی ہے، اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو کچھ تو دے دے اسے کوئی روکنے والا نہیں، اور جو چیز تو روک لے اُسے کوئی دینے والا نہیں، اور کسی مال دار کو اُس کا مال تیرے بغیر کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔

---

(۱) صحیح مسلم ج:۱ ص:۲۱۸، کتاب الصلوٰۃ، باب الذکر بعد الصلوٰۃ، وصحیح بخاری، باب الذکر بعد الصلوٰۃ۔

۲:- ایک اور مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہی فرمائش کی تو حضرت مغیرہؓ نے لکھا کہ[1]:-

سَـلَامٌ عَـلَيْـكَ، اَمَّـا بَعْدُ، فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَـلَيْـهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ ثَلٰثًا وَّنَهٰى عَنْ ثَلٰثٍ: حَـرَّمَ عُقُوْقَ الْوَالِدِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَ "لَا" وَ "هَاتِ"، وَنَهٰى عَنْ ثَلٰثٍ: قِيْلَ وَقَالَ وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ وَاِضَاعَةِ الْمَالِ.

ترجمہ:- السلام علیکم! اما بعد، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: اللہ نے تین چیزیں حرام کی ہیں اور تین چیزوں سے منع کیا ہے۔ حرام کیا ہے: والد کے ساتھ بدسلوکی کو، اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کو، اور "نہیں" اور "لاؤ" کہنے کو، (یعنی کوئی کچھ مانگے تو انکار نہ کریں، اور دُوسروں سے کوئی چیز نہ مانگیں)، اور منع کیا ہے: قیل و قال سے، اور کثرتِ سوال سے، اور اضاعتِ مال سے۔

۱۴:- حضرت زید بن ثابتؓ

یہ بات عہدِ رسالتؐ کے بیان کے آخر میں تفصیل سے آچکی ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت کتابتِ حدیث سے منع فرمایا تھا، یہی وجہ ہے کہ جہاں صحابہ کرامؓ کی اتنی بڑی جماعت کتابتِ حدیث کا کام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم و اجازت سے انجام دے رہی تھی، وہیں بعض صحابہ کرامؓ اس سے اجتناب بھی کرتے تھے۔ دراصل جس صحابی نے جو حدیث سنی وہ اسی پر عمل پیرا ہوگیا، اور جس نے دونوں قسم کی حدیثیں سنیں، اس نے ان میں تطبیق کا راستہ اختیار کیا، یا ممانعت کی حدیث کو اجازت کی حدیثوں سے منسوخ قرار دیا، چنانچہ

(۱) صحیح مسلم ج:۲ ص:۷۶، کتاب الاقضیۃ، باب النہی عن کثرۃ المسائل۔

ممانعت کی حدیث کے راویوں میں سے حضرت ابوہریرہؓ بھی ہیں[۱]، مگر ان کا عمل آپ عہدِ صحابہؓ میں دیکھ چکے ہیں کہ بہت ساری کتابیں تالیف کرلی تھیں، جن میں اُن کی تمام روایت کی ہوئی حدیثیں لکھی ہوئی تھیں۔

ممانعت کی حدیث جن دو تین صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہے، اُن میں سے ایک زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں، اور اسی لئے عام طور سے یہ کتابتِ حدیث سے اجتناب کرتے تھے، یہ اور بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط جو یہودیوں کے نام ہوتے تھے اور ظاہر ہے کہ احادیث ہی پر مشتمل ہوتے تھے، وہ زید بن ثابتؓ ہی لکھتے تھے، ہوسکتا ہے انہوں یہ سمجھا ہو کہ حدیثیں لکھنے کی ممانعت کا تعلق خطوطِ مبارکہ کے علاوہ باقی احادیث سے ہے۔

ان کی مرضی کے بغیر ان کی مرویات بھی لکھی گئیں

بہرکیف! عہدِ صحابہؓ میں یہ کتابتِ حدیث سے اجتناب کرتے تھے، مگر دِلچسپ بات یہ ہے کہ مروان بن الحکم (حاکمِ مدینہ) نے ایک تدبیر ایسی کی کہ کچھ حدیثیں ان کی روایت کی ہوئی بھی لکھ لی گئیں۔ دارمی[۲] نے یہ واقعہ زید بن ثابتؓ ہی کی زبانی نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:-

> مروان بن الحکم نے جب وہ مدینہ کا امیر تھا، مجھ سے فرمائش کی کہ میں اُسے کچھ لکھ دوں، میں نے نہ لکھا، تو اُس نے اپنی مجلس اور گھر کے باقی حصے کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا، اُس کے ساتھی اُس کے پاس وہیں آتے رہے اور باتیں کرتے رہے، پھر مروان نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوکر کہا: ہمارا خیال ہے ہم نے اِن (زید بن ثابتؓ) کے ساتھ خیانت کی ہے۔ پھر وہ میری طرف متوجہ ہوا، میں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے

---

(۱) مقدمہ صحیفۂ ہمام بن مُنبّہ ص:۲،۷،۳،۷، ۵،۷ (بحوالہ تقیید العلم للخطیب ص:۳۲ تا ۳۴، وترمذی ج:۲ ص:۳، ومسندِ احمد ج:۲ ص:۱۲، ۱۳)۔

(۲) سننِ دارمی ج:۱ ص:۱۰۱ باب:۴۲ حدیث نمبر:۴۸۰۔

کہا: ہمارا خیال ہے کہ ہم نے آپ کے ساتھ خیانت کی ہے۔
میں نے کہا: وہ کیسے؟ تو اس نے بتایا کہ: ہم نے ایک آدمی کو
مأمور کیا تھا کہ وہ اس پردے کے پیچھے بیٹھ جائے اور جو مسائل
یہ لوگ بتائیں وہ لکھتا جائے، اور جو کچھ آپ فرمائیں اُسے بھی
لکھتا جائے۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ مروان بن الحکم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیثیں بھی اسی تدبیر سے قلم بند کرائی تھیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت کی ہوئی ایک حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی قلم بند کرائی تھی، جس کا واقعہ مسندِ احمد(۱) میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ:-

زید بن ثابتؓ، معاویہؓ کے پاس گئے اور انہیں ایک حدیث سنائی
تو حضرت معاویہؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ اِسے لکھ لے، اس
پر زیدؓ نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا تھا
کہ ہم ان کی کوئی حدیث لکھیں۔ پھر وہ حدیث (جو لکھ لی گئی
تھی) مٹادی۔

۱۵:- حضرت معاویہؓ

یہ بات تو معروف و مشہور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جن کو کاتبینِ وحی کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ عہدِ رسالتؐ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قرآنِ کریم لکھا کرتے تھے، مگر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ انہوں نے جو احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی تھیں، وہ بھی لکھ لی تھیں یا نہیں؟ البتہ یہ بات متعدّد روایات سے ثابت ہوتی ہے کہ یہ دُوسرے صحابہ کرامؓ سے فرمائش کیا کرتے تھے کہ: ''مجھے ایسی حدیث لکھ کر بھیجئے جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود

---

(۱) ج:۵ ص:۱۸۲ (حدیث زید بن ثابتؓ)۔ نیز جامع بیان العلم میں بھی یہ واقعہ اسی طرح مذکور ہے، ج:۱ ص:۶۳۔

سنی ہو۔" چنانچہ حضرت عائشہؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی خدمات میں پیچھے آچکا ہے کہ ان دونوں نے ان کی فرمائش پر حدیثیں لکھ کر بھیجی تھیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس طرح انہوں نے علمِ حدیث کا کتنا سرمایہ جمع کرلیا ہوگا۔

اور یہ واقعہ تو ابھی گزرا ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ سے انہوں نے ایک حدیث سنی تو فوراً کاتب سے لکھوالی۔ یہ اور بات ہے کہ زید بن ثابتؓ نے اُسے مٹوادیا، مگر اس واقعے سے بھی ان کے کتابتِ حدیث کے ذوق وشوق کا تو اندازہ کیا ہی جاسکتا ہے۔

نیز یہ بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جب دُوسروں کی روایت کردہ حدیثیں لکھوانے کا اِتنا اہتمام کرتے ہوں کہ خود دارالخلافہ دمشق (شام) میں ہوں، وہاں سے ایک مہینے کی مسافت پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ میں درخواست لکھ کر بھیجتے ہوں کہ: "مجھے ایسی حدیث لکھ کر بھیجئے جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہو۔" اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ (عراق) میں یہی فرمائش بار بار لکھ کر بھیجتے ہوں، تو جو صحابہ کرامؓ اس وقت دمشق میں موجود تھے، ان سے کتنی حدیثیں لکھ کر انہوں نے جمع کرلی ہوں گی۔ اور جو حدیثیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی تھیں، اُن کا کتنا بڑا ذخیرہ قلم بند کرلیا ہوگا، لیکن قیاس کتنا ہی معقول اور دِل کو لگتا ہو، بہرحال قیاس ہے۔ اگر قیاس سے تاریخی واقعات ثابت کئے جاسکتے تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوتے کہ حضرت معاویہؓ نے احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے دورِ خلافت میں قلم بند کرالیا تھا۔

۱۶:- حضرت براء بن عازبؓ

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بھی اپنے شاگردوں کو حدیثیں اِملاء کرایا کرتے تھے، چنانچہ دارمی وغیرہ نے عبداللہ بن حنش (یا خُنَیس) کا یہ بیان سند سے[1] نقل کیا ہے کہ:-

---

(۱) سننِ دارمی ج:۱ ص:۱۰۶ باب:۴۳، وجامع بیان العلم ج:۱ ص:۷۳۔

رَأَیْتُھُمْ عِنْدَ الْبَرَاءِ یَکْتُبُوْنَ عَلٰی اَیْدِیْھِمْ بِالْقَصَبِ.

ترجمہ:- میں نے حضرت براءؓ کے پاس لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں پر کلک (کے قلم) سے لکھ رہے ہیں۔

۱۷:- حضرت عبداللہ بن ابی اَوْفیٰؓ

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ "بیعت الرضوان" میں شریک تھے، جن صحابہ کرامؓ کی وفات کوفہ (عراق) میں ہوئی، یہ ان میں سب سے آخری صحابی ہیں، ۸۷ یا ۸۸ھ میں وفات پائی۔(۱)

مسلم کی روایت ہے کہ جب عمر بن عبیداللہ خوارج سے جنگ کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن ابی اَوْفیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ حدیث لکھ کر بھیجی(۲):-

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ فِیْ بَعْضِ اَیَّامِہِ الَّتِیْ لَقِیَ فِیْھَا الْعَدُوَّ یَنْتَظِرُ حَتّٰی اِذَا مَالَتِ الشَّمْسُ قَامَ فِیْھِمْ فَقَالَ: یَا اَیُّھَا النَّاسُ! لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْئَلُوا الْعَافِیَةَ، فَاِذَا لَقِیْتُمُوْھُمْ فَاصْبِرُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ. ثُمَّ قَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ وَمُجْرِیَ السَّحَابِ وَھَازِمَ الْاَحْزَابِ اھْزِمْھُمْ وَانْصُرْنَا عَلَیْھِمْ.

ترجمہ:- کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُشمنوں سے جو جہاد کئے، اُن میں سے بعض جنگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتظار فرماتے تھے، یہاں تک کہ جب سورج ڈھل جاتا تو مجاہدین

---

(۱) تہذیب التہذیب ج:۵ ص:۱۵۱، ۱۵۲ حدیث نمبر:۲۶۰۔

(۲) صحیح مسلم ج:۲ ص:۸۴، باب کراھۃ تمنی لقاء العدو ..... الخ۔ نیز یہ واقعہ بخاری نے بھی تین روایتوں میں بیان کیا ہے۔ دیکھئے: کتابُ الجہاد، باب لاتمنوا لقاء العدو، وباب اذا لم یقاتل اوّل النہار وباب الصبر عند القتال۔

اسلام کو کھڑے ہوکر خطاب فرماتے کہ: اے لوگو! تم دُشمن سے جنگ کی تمنا نہ کرو، اور اللہ سے عافیت طلب کرو، پھر جب اُن سے جنگ کرو تو ثابت قدم رہو، اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے رہے اور فرمایا: اے اللہ! کتاب کو نازل کرنے والے، بادلوں کو چلانے والے، اور (دُشمنوں کی) فوجوں کو شکست دینے والے، ان کو شکست دے اور ہمیں ان پر نصرت عطا فرما۔

۱۸:- حضرت ابوبکرہؓ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبیداللہ، بجستان کے قاضی تھے، باپ نے بیٹے کو نصیحت کا خط بھیجا، جس میں یہ حدیث[۱] بھی درج تھی کہ:-

فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: لَا یَحْکُمُ اَحَدٌ بَیْنَ اثْنَیْنِ وَهُوَ غَضْبَانٌ.

ترجمہ:- میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: کوئی شخص جب غصے میں ہو، دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔

۱۹:- حضرت جابر بن سمرۃؓ

یہ خود بھی صحابی ہیں، اور ان کے والد حضرت سمرہ بن جنادہؓ بھی صحابی تھے، حضرت جابر بن سمرہؓ کوفہ (عراق) میں جاکر آباد ہوگئے تھے، وہیں ۷۳ یا ۷۴ھ میں انتقال ہوا۔[۲]

(۱) صحیح مسلم ج:۲ ص:۷۷، باب کراھۃ قضاء القاضی وھو غضبان، کتاب الاقضیۃ۔ وصحیح بخاری، باب ھل یقضی الحاکم او یفتی .... الخ، کتاب الاحکام۔ وسنن ابی داؤد، باب القاضی یقضی وھو غضبان، کتاب الاقضیۃ۔

(۲) تہذیب التہذیب ج:۲ ص:۳۹ نمبر:۶۳۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عامرؔ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے غلام نافع کے ہاتھ جابر بن سمرہؓ کو خط بھیجا کہ: ''مجھے ایسی بات بتایئے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہو۔'' تو انہوں نے مجھے یہ حدیث لکھ کر بھیجی[۱] کہ:-

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ جُمُعَۃَ عَشِیَّۃَ رُجِمَ الْاَسْلَمِیُّ فَقَالَ: لَا یَزَالُ الدِّیْنُ قَائِمًا حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ اَوْ یَکُوْنَ عَلَیْکُمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَۃً کُلُّھُمْ مِّنْ قُرَیْشٍ. وَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ: عُصَیْبَۃٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ یَفْتَتِحُوْنَ الْبَیْتَ الْاَبْیَضَ بَیْتَ کِسْرٰی اَوْ (قَالَ) اٰلَ کِسْرٰی. وَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ: اِنَّ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ کَذَّابِیْنَ فَاحْذَرُوْھُمْ. وَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ: اِذَا اَعْطَی اللّٰہُ تَعَالٰی اَحَدَکُمْ خَیْرًا فَلْیَبْدَأْ بِنَفْسِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ. وَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ: اَنَا الْفَرَطُ عَلَی الْحَوْضِ.

ترجمہ:- جس جمعہ کی شام کو (ماعز) اسلمیؓ کو رجم کیا گیا، اس دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تک قیامت آئے یا تمہارے اُوپر بارہ خلیفہ ہوں جو سب قریشی ہوں گے، اس وقت تک یہ دین قائم رہے گا۔ اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: مسلمانوں کی ایک چھوٹی جماعت کسریٰ کا گھر ''بیتِ ابیض'' فتح کرے گی۔ اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: قیامت سے پہلے کچھ کذّاب (ظاہر) ہوں گے، تو تم اُن سے بچتے رہنا۔ اور میں نے آپ

(۱) صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۱۹، ۱۲۰، کتاب الامارۃ، باب الناس تبع لقریش۔ و ج:۲ ص:۲۵۲، باب اثبات حوض نبینا صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الفضائل۔

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو نعمت عطا کرے تو وہ اس کا فائدہ سب سے پہلے اپنی جان اور اپنے گھر والوں کو پہنچائے۔ اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: میں حوضِ (کوثر) پر سب سے پہلے پہنچ کر لوگوں کا انتظار کرنے والا ہوں۔

۲۰:- حضرت اُبَیّ بن کعبؓ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی خدمات میں یہ واقعہ پیچھے آچکا ہے کہ حضرت سمرہؓ نے نماز کے ایک مسئلے کے متعلق لوگوں کو ایک حدیث سنائی، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو اس کی صحت میں تردُّد ہوا، تو لوگوں نے یہ حدیث لکھ کر تصدیق کے لئے حضرت اُبَیّ بن کعبؓ کے پاس بھیجی تو انہوں نے اس کی تصدیق فرمائی۔[1]

۲۱:- حضرت نعمان بن بشیرؓ

حضرت ضحاک بن قیس نے اِن سے بذریعۂ خط[2] دریافت کیا کہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاوہ سورۃ الجمعہ کے کون سی سورت پڑھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم "هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ" پڑھتے تھے۔

۲۲:- حضرت فاطمہ بنتِ قیسؓ

یہ اُن خواتینِ اسلام میں سے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے ہجرتِ مدینہ کا شرف حاصل کیا۔[3] شوہر نے انہیں طلاق دے دی تھی، یہ عدّت کے زمانے کے نفقہ اور

---

(۱) سننِ ابی داؤد ص:۱۱۳، کتاب الصلوٰۃ، باب السکتۃ عند الافتتاح۔

(۲) صحیح مسلم ج:۱ ص:۲۸۸، کتاب الجمعۃ۔

(۳) تہذیب التہذیب ج:۱۲ ص:۴۴۴ نمبر:۲۸۶۶۔

رہائش کا مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ بتادیا۔ مختصر یہ کہ عدّت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کا نکاح حضرت اُسامہ بن زیدؓ سے کردیا، یہ طویل قصہ ہے اور اسلام کے عائلی قوانین سے متعلق ہے، اِسی لئے یہ پورا قصہ ائمۂ مجتہدین اور فقہاء کے یہاں زیرِ بحث رہا ہے، جس کی تفصیلات امام مسلمؒ نے اپنی کتاب کے تین صفحات میں بہت سے طرق سے بیان کی ہیں، مسلم ہی کی روایت میں[1] ہے کہ یہ پورا قصہ حضرت فاطمہ بنتِ قیسؓ کے شاگرد ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن نے ان سے بالمشافہ سن کر اُسی وقت لکھ لیا تھا، اور اسی تحریر سے وہ اس واقعے کو روایت کیا کرتے تھے۔

۲۳:۔ حضرت سُبَیعَۃُ الاَسلَمِیَّۃؓ

یہ بھی اُن صحابیات میں سے ہیں جن سے جلیل القدر تابعین نے اور مدینہ منورہ اور کوفہ کے فقہاء نے حدیثیں روایت کیں، ان سے ایک حدیث حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کی ہے۔[2]

حجۃ الوداع کے موقع پر ان کے شوہر سعد بن خولہؓ کا انتقال ہوا تو یہ حمل سے تھیں، شوہر کے انتقال کے فوراً بعد بچہ پیدا ہوا، جس سے عدّت خود بخود ختم ہوگئی، نکاحِ ثانی کا ارادہ کیا تو بعض حضرات نے ٹوکا کہ چار ماہ دس دن کی عدّت گزارے بغیر نکاحِ ثانی نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مسئلہ دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وضعِ حمل ہوتے ہی تمہاری عدّت ختم ہوچکی ہے۔ اور فرمایا کہ: تم چاہو تو نکاح کرلو۔

اِس پورے واقعے کو امام مسلمؒ نے انہی کی زبانی نقل کیا ہے۔ اس کا تعلق عدّت جیسے اہم مسئلے سے تھا، اس لئے عبداللہ بن عتبہ کی فرمائش پر عمر بن عبداللہ بن الارقم اِن کے پاس پہنچے، اور ان کا پورا بیان قلم بند کرکے عبداللہ بن عتبہ کے پاس بھیج دیا۔

---

(۱) صحیح مسلم ج:۱ ص:۴۸۴، کتاب الطلاق، باب المطلقۃ البائن لا نفقۃ لھا۔

(۲) تہذیب التہذیب ج:۱۲ ص:۴۲۴ نمبر:۲۸۱۲۔

عبداللہ بن عتبہ اس واقعے کو اسی تحریر کے حوالے سے روایت کیا کرتے تھے، امام مسلمؒ نے بھی اسی حوالے سے بیان کیا ہے۔ [1]

۲۴:۔ حضرت حسن بن علیؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خود بھی حدیثیں لکھی ہیں یا نہیں؟ اس کی صراحت تو نہیں ملی، مگر وہ اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو نصیحت [2] فرمایا کرتے تھے کہ:۔

تَعَلَّمُوْا! تَعَلَّمُوْا! فَاِنَّکُمْ صِغَارُ قَوْمٍ نِ الْیَوْمَ تَکُوْنُوْنَ کِبَارَھُمْ غَدًا، فَمَنْ لَّمْ یَحْفَظْ مِنْکُمْ فَلْیَکْتُبْ. وَفِیْ رِوَایَۃٍ: فَلْیَکْتُبْہُ وَلْیَضَعْہُ فِیْ بَیْتِہٖ.

ترجمہ:۔علم حاصل کرو! علم حاصل کرو! کیونکہ تم اب تو قوم میں چھوٹے ہو، مگر کل تم ان کے بڑے بنوگے، لہٰذا تم میں سے جو حفظ یاد نہ کرسکے وہ لکھ لے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: وہ اسے لکھ کر اپنے گھر میں رکھ لے۔

حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے ان کو حدیثیں لکھنے والے صحابہؓ میں شمار کیا ہے۔ [3]

❀❀❀

---

(۱) صحیح مسلم ج:۱ ص:۴۸۶، باب انقضاء عدۃ المتوفی عنہا زوجہا....الخ، کتاب الطلاق۔

(۲) السنۃ قبل التدوین ص:۳۱۸، بحوالہ الکفایۃ ص:۲۲۹، وبحوالہ تقیید العلم للخطیب ص:۹۱۔

(۳) تدریب الراوی ص: غالبًا ۲۸۵۔

عہدِ صحابہؓ میں تابعینؒ کی تحریری خدمات

یہاں تک عہدِ رسالت وعہدِ صحابہ کے صرف اُن تحریری کارناموں کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے جو کسی بڑی تحقیق وجستجو کے بغیر سامنے آ گیا، باقاعدہ تحقیق وکاوش سے کام لیا جائے تو نہ جانے اِس دور کے کتنے اور کارنامے سامنے آئیں گے۔

پھر یہ صرف وہ خدمات ہیں جو صحابہ کرامؓ نے خود انجام دیں، یا اپنے شاگردوں سے انجام دلائیں۔ اور جو کارنامے عہدِ صحابہؓ ہی میں تابعینؒ نے انجام دیئے، ان کی تفصیلات تو اتنی زیادہ ہیں کہ اُن کا خلاصہ بھی کیا جائے تو کلام بہت طویل ہوجائے گا۔ مثلاً حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جو ماہِ صفر ۹۹ھ میں منصبِ خلافت پر فائز ہوئے اور رجب ۱۰۱ھ میں وفات پا گئے،[۱] انہوں نے اپنے مختصر دورِ خلافت میں احادیثِ نبویہ کی تدوین سرکاری انتظام سے جس بڑے پیمانے پر[۲] کرائی، اور حضرت ابن شہاب زُہریؒ (ولادت ۵۰ھ، وفات ۱۲۴ھ) نے اِس میدان میں جو ناقابلِ فراموش کارنامے[۳] انجام دیئے، اور مشہور تابعی حضرت امام شعبیؒ[۴] (ولادت ۱۹ھ، وفات ۱۰۳ھ یا ۱۰۹ھ) نے جو یہ کارنامہ انجام دیا کہ احادیث کی سب سے پہلی مبوّب

(۱) تہذیب التہذیب ج:۷ ص:۴۷۷ نمبر:۷۹۰۔

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: الرسالۃ المستطرفۃ ص:۴، وجامع بیان العلم ج:۱ ص:۷۶، ودارمی ج:۱ ص:۱۰۷ باب:۴۳، وتذکرۃ الحفاظ ج:۱ ص:۱۱۲، وفتح الباری ج:۱ ص:۱۷۴، والسنۃ قبل التدوین ص:۳۲۸ تا ۳۳۳۔

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے: تذکرۃ الحفاظ ص:۱۰۲ تا ۱۰۶، وتہذیب التہذیب وغیرہ، وجامع بیان العلم ص:۷۳، ۷۶، والسنۃ قبل التدوین ص:۴۸۹ تا ۵۰۰۔

(۴) انہوں نے پانچ سو صحابہ کرامؓ کی زیارت کی اور ۴۸ صحابہ کرامؓ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ تہذیب التہذیب ج:۵ ص:۶۷ نمبر:۱۱۰۔

کتاب تالیف کی[۱] اور حضرت حسن بصریؒ نے تفسیر کی ایک کتاب اِملاء کرائی[۲]، یہ سب کارنامے بھی عہدِ صحابہؓ ہی کے کارنامے ہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس صحابی نے سب سے آخر میں وفات پائی، وہ حضرت ابوالطفیل (عامر بن واثلہؓ) ہیں، ان کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی ہے۔[۳]

غرض ۱۱۰ھ تک احادیثِ نبویہ کی کتابت اور تدوین کے میدان میں جو کارہائے نمایاں تابعینؒ نے انجام دیئے، وہ بھی عہدِ صحابہ ہی کے کارنامے ہیں، مگر طوالت کے خوف سے ہم نے ان کی تفصیلات جمع کرنے کی کوشش نہیں کی۔

دُوسری صدی ہجری میں تدوینِ حدیث

پھر عہدِ صحابہؓ کے بعد دُوسری صدی ہجری میں کتابت و تدوینِ حدیث کے میدان میں جو وسیع پیمانے پر کام ہوا، اُس کا دائرہ تو اتنا پھیلا ہوا ہے کہ اسے بیان کیا جائے تو اس رسالے کی ضخامت دوچند ہوجائے گی، اس لئے ہم یہاں صرف چند مشہور کتابوں کے نام لکھتے ہیں جو دُوسری صدی میں تالیف ہوئیں، ساتھ ہی اُن کے مصنفین کے اسماءِ گرامی اور تاریخِ وفات بھی درج کی جائے گی۔

پہلی صدی اور دُوسری صدی کے کارناموں میں یہ فرق ہے کہ پہلی صدی کی کتابوں میں عموماً کوئی خاص ترتیب لکھنے والوں نے قائم نہیں کی تھی، انہوں نے احادیث کو صرف جمع کیا تھا، مرتب نہ فرمایا تھا، اور دُوسری صدی کی کتابوں میں احادیث کو مرتب کیا گیا، اور تیسری صدی میں یہ ترتیب و تدوین اپنے عروج پر جاپہنچی، جبکہ مسندِ احمد اور صحاحِ ستہ وغیرہ کتابیں تالیف ہوئیں اور حدیث سے متعلق جملہ علوم و

---

(۱) السنۃ قبل التدوین ص:۳۳۸، بحوالہ تدریب الراوی، والکفایۃ، ومقدمہ فتح الباری وغیرہ۔

(۲) جامع بیان العلم ج:۱ ص:۷۴۔ ان کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج:۱ ص:۶۷)۔

(۳) تہذیب التہذیب ج:۵ ص:۸۲ نمبر:۱۳۵۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے یہاں ان کی تاریخِ وفات میں ایک قول ۱۰۷ھ کا، اور ایک ۱۰۲ھ کا بھی نقل کیا ہے۔ امام مسلمؒ نے تاریخِ وفات ۱۰۰ھ بتائی ہے۔ دیکھئے: صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۵۸، کتاب الفضائل، باب صفۃ شعرہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

فنون پر کتابیں لکھی گئیں۔ کسی مؤلف نے ترتیب کا ایک انداز اختیار کیا، کسی نے کچھ اور، اندازِ ترتیب کے اِسی اختلاف سے کتبِ حدیث کی بہت سی قسمیں وجود میں آ گئیں، جن کی تفصیل **الرسالة المستطرفة** اور **بستان المحدثین** وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

دُوسری صدی کی چند تالیفات[1]

ا:- کتابُ السیر ۃ

یہ ابنِ شہاب زُہری (۱۲۳ھ یا ۱۲۴ھ یا ۱۲۵ھ) کی تالیف ہے، سیرتِ نبوی پر یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔

۲:- مغازی موسیٰ بن عقبہ

یہ حضرت موسیٰ بن عقبہ (۱۴۴ھ) کی تالیف ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا اتنا مستند بیان ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: مغازی پر اس سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔

۳:- کتابُ الآثار

یہ کتاب امام ابوحنیفہؒ (متوفی ۱۵۰ھ) نے اپنے مایہ ناز شاگردوں کو اِملاء کرائی تھی، امام شعبیؒ کی تالیف کے بعد یہ سب سے پہلی کتاب ہے، جس میں حدیثیں فقہی ابواب پر مرتب کی گئیں۔[2] اس سے امام مالکؒ نے بھی استفادہ کیا ہے،[3] بار بار طبع ہو چکی ہے۔

۴:- سنن ابنِ جریج

یہ مشہور امامِ حدیث ابنِ جریج رُومیؒ (متوفی ۱۵۰ھ یا ۱۵۱ھ) کی تالیف

---

(۱) آنے والی سب تفصیلات ''الرسالۃ المستطرفۃ'' ص:۱۳ تا ۹۲ سے مأخوذ ہیں، جہاں کسی اور کتاب سے مدد لی گئی ہے، اُس کا حوالہ درج کر دیا گیا ہے۔

(۲) امامِ اعظمؒ اور علمِ حدیث ص:۳۲۳ تا ۳۲۸، بحوالہ تبییض الصحیفہ للسیوطیؒ۔

(۳) امامِ اعظمؒ اور علمِ حدیث ص:۳۴۳، بحوالہ مناقب ذہبیؒ۔

ہے، اس میں بھی حدیثیں فقہی ابواب پر مرتب کی گئی ہیں۔

۵:- السیرۃ

یہ ابوبکر محمد بن اسحاق (۱۵۱ھ یا ۱۵۲ھ) کی تالیف ہے، اور سیرۃ ابنِ ہشام کا مأخذ یہی کتاب ہے۔

۶:- جامع معمر

یہ حضرت معمر بن راشد (۱۵۳ھ یا ۱۵۴ھ) کی تالیف ہے، ہر قسم کے مضامین کی احادیث پر مشتمل ہونے کی وجہ سے "جامع" کہلاتی ہے، اور صحیح بخاری و مسلم کی طرح ابواب پر مرتب ہے۔

۷:- جامع سفیان الثوری

یہ مشہور فقیہ اور امامِ حدیث سفیان ثوریؒ (۱۶۰ھ یا ۱۶۱ھ) کی تالیف ہے اور ابواب پر مرتب ہے۔

۸:- مصنَّف حماد

یہ حضرت حماد بن سلمہؒ (۱۶۷ھ) کی تالیف ہے، یہ بھی فقہی ابواب پر مرتب ہے۔

۹:- کتابُ غرائب شعبۃ

یہ مشہور حافظِ حدیث شعبۃ بن الحجاج (۱۷۰ھ) کی تالیف ہے، جس میں انہوں نے اپنے اساتذہ سے حاصل کی ہوئی خاص خاص حدیثیں اساتذہ ہی کی ترتیب سے مرتب کی ہیں۔

۱۰:- المؤطأ

یہ امام مالک بن انسؒ (متوفی ۱۷۹ھ) کی مشہور و معروف کتاب ہے، جس کے درس و تدریس کا سلسلہ آج بھی دینی مدارس میں جاری ہے، صحیح بخاری سے پہلے اسی کو قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب سمجھا جاتا تھا، بار بار طبع ہو چکی ہے۔

۱۱:- کتابُ الجہاد

یہ امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد حضرت عبداللہ بن المبارکؒ (متوفی ۱۸۱ھ یا ۱۸۲ھ) کی تألیف ہے، جس میں صرف جہاد کے متعلق احادیث ترتیب سے بیان کی گئی ہیں۔

۱۲:- کتابُ الزہد والرقائق

یہ بھی حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کی تألیف ہے، جس میں صرف زُہد اور فکرِ آخرت سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں۔

۱۳:- کتابُ الاستئذان

یہ بھی حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کی تألیف ہے، اس میں صرف استیذان (کسی کے گھر وغیرہ میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنے) کے متعلق حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔

۱۴:- کتابُ الذکر والدعاء

یہ امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد امام ابویوسفؒ (متوفی ۱۸۲ھ) کی تألیف ہے، جس میں مسنون دُعائیں، اَذکار اور متعلقہ حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔

۱۵:- مغازی المعتمر بن سلیمان

یہ معتمر بن سلیمان (متوفی ۱۸۷ھ) کی تألیف ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات بیان کئے گئے ہیں۔

۱۶:- مصنَّف وکیع بن الجراح

یہ مشہور امامِ حدیث وکیعؒ (متوفی ۱۹۶ھ) کی تألیف ہے اور ابوابِ فقہیہ پر مرتب ہے۔

۱۷:- جامع سفیان بن عیینہ

(متوفی ۱۹۸ھ) یہ بھی فقہی ابواب پر مرتب ہے۔

۱۸:- تفسیر سفیان بن عیینہ

اس میں صرف تفسیرِ قرآن سے متعلق احادیث بیان کی گئی ہیں۔

دُوسری صدی میں اور بھی کئی کتابیں تالیف ہوئیں، جن کا ذکر ہم نے بغرضِ اختصار چھوڑ دیا ہے۔

اِختتامیہ

خلاصۂ کلام یہ کہ ہجرتِ مدینہ سے دُوسری صدی ہجری کے اِختتام تک کوئی زمانہ ایسا نہیں ملتا جس میں حدیثیں بہت بڑے پیمانے پر نہ لکھی جاتی رہی ہوں، ساڑھے دس ہزار سے زیادہ حدیثیں تو صرف دو صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما ہی نے قلم بند فرمائی تھیں، جن کی تفصیل عہدِ رسالتؐ اور عہدِ صحابہؓ کے بیان میں آچکی ہیں، دُوسرے صحابہ کرامؓ کے تحریری کارناموں کا خلاصہ بھی پیچھے آچکا ہے۔ ہم نے حتی الامکان اختصار سے کام لیا ہے، اور تابعینؒ و تبع تابعینؒ کی گراں قدر تالیفی خدمات کی طرف تو صرف اشارے ہی کئے جاسکے ہیں، تاہم عہدِ رسالتؐ، عہدِ صحابہؓ اور دُوسری صدی میں کتابت و تدوینِ حدیث کے متعلق جتنے شواہد اس کتابچے میں آگئے ہیں، وہی دُشمنانِ اسلام کے اِس دعوے کی قلعی کھولنے کے لئے کافی ہیں کہ حدیثیں صرف تیسری صدی میں اس وقت لکھی گئیں جب مسندِ احمد اور صحاحِ ستہ وغیرہ تالیف ہوئیں. اور س سے پہلے کے دوسو سال احادیث پر اس طرح گزرے کہ وہ لکھی ہوئی محفوظ نہ تھیں۔

نام نہاد محققین نے یہ جھوٹ اِس لئے تراشا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ شریفہ جو قرآنِ کریم کی تفسیر اور دینِ اسلام کا اساسی حصہ ہیں، اُن کے اعتماد کو مجروح کرکے قرآن اور اسلام کی جملہ تعلیمات کو مشکوک بنادیا جائے،

حالانکہ یہ بات پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ قرونِ اُولیٰ میں احادیثِ نبویہ کی حفاظت کا اصل مدار کتابت پر تھا ہی نہیں، اصل مدار دو چیزوں پر تھا، ایک ان احادیث کو زبانی یاد کرکے درس و تدریس کے ذریعے سند کے ساتھ دُوسروں تک پہنچانا، اور دُوسرے اُن احادیث پر پورے اسلامی معاشرے اور سرکاری قوانین میں عمل، صحابہ کرامؓ نے احادیث کو زبانی یاد کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو اپنی پوری زندگی کے تمام شعبوں میں اس طرح رچابسا لیا تھا کہ ہر صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا عملی نمونہ تھا، تابعینؒ انہی نمونوں کو دیکھ کر اپنی زندگیاں تعمیر کر رہے تھے، اس طرح احادیث کی حفاظت و اشاعت اُن حضرات کے حیرت ناک حافظوں، اَنتھک دماغی محنت، اور اس میں انتہا درجے کی احتیاط، اور سند کی کڑی پابندیوں کے ذریعے بھی ہو رہی تھی، اور اُن کے ہر شعبۂ زندگی میں اتباعِ سنت اور عملی تربیت کے ذریعہ بھی تسلسل کے ساتھ جاری تھی، جن کی تفصیل اُصولِ حدیث، اسماءُ الرجال اور تاریخ و سیر کی مستند کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

غرض حفظ بذریعہ رُواۃ، اور حفظ بذریعہ تعامل، یہ دونوں طریقے ہی احادیثِ نبویہ کے تحفظ کے لئے اتنے کافی تھے کہ اگر پہلی دو صدیوں میں حدیثیں نہ لکھی جاتیں، تب بھی ان پر ایسا ہی اعتماد کیا جاسکتا تھا جیسا آج کیا جاتا ہے، یہ تو صحابہ کرامؓ اور تابعینِ عظامؒ کی غایت درجہ دُور اندیشی تھی کہ مزید احتیاط کے لئے انہوں نے کتابتِ حدیث کا بھی اتنے بڑے پیمانے پر اہتمام فرمایا کہ حیرت ہوتی ہے۔

بہ ظاہر اس کی تکوینی وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو علام الغیوب ہے، وہ جانتا تھا کہ ایک دور ایسا آئے گا، جب دُشمنانِ اسلام اِن احادیثِ نبویہ کو لوگوں کی نظروں میں مشکوک بنانے کے لئے عدمِ کتابت کا بہانہ کریں گے، اُن کا منہ بند کرنے کے لئے اِن مردانِ خدامست نے تحریری کارنامے بھی اتنے چھوڑ دیئے کہ جن کا انکار پرلے درجے کی بے حیائی کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کی ہر قسم کے ظاہری و باطنی فتنوں سے حفاظت

فرمائے اور جن محدثینِ کرام رحمہم اللہ نے اپنی پوری زندگیاں وقف کر کے، رُوکھی سوکھی کھا کر، اور پُر مشقت سفروں کی صعوبتیں جھیل کر، احادیثِ نبویہ کو جمع کیا اور ہم تک پہنچایا، ان کے درجات جنت الفردوس میں بلند سے بلندتر فرمائے، اور ہم سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر جینے اور اسی پر مرنے کی سعادت سے مالامال فرمائے، آمین!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ،

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ،

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ، وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ.

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
خادم دارالعلوم کراچی

شب ۲۷/ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ
۲۰/اکتوبر ۱۹۷۹ء

❁❁❁

اِس کتاب کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	ناشر	سنہ طباعت
۱	القرآن الکریم			
۲	اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	امام ابنِ اثیر الجزریؒ (المتوفی ٦۳۰ھ)	جمعیۃ المعارف المصریہ	۱۲۸٦ھ
۳	الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ	حافظ ابنِ حجر العسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ)	مطبع مصطفیٰ محمد، بمصر	۱۳۵۸ھ
۴	الاعتصام	امام ابراہیم بن موسیٰ الشاطبیؒ (المتوفی ۷۹۰ھ)	مطبعۃ المنار مصر	۱۳۳۱ھ
۵	الاکمال فی اسماء الرجال	شیخ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزیؒ	اصح المطابع کراچی	۱۳٦۸ھ
٦	امداد الاحکام (مجموعہ فتاویٰ)	حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ	مخطوطہ زیرِ طبع	
۷	امامِ اعظمؒ اور علمِ حدیث	مولانا محمد علی صاحب صدیقی کاندھلوی	دارالعلوم الشہابیہ سیالکوٹ	
۸	البدایۃ والنہایۃ	حافظ عماد الدین ابنِ کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ)	مطبعۃ السعادۃ مصر	۱۳۵۱ھ
۹	بذل المجہود فی حل ابی داؤد	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ	مطبع نامی، میرٹھ (ہند)	۱۳۴۲ھ
۱۰	تاریخ الادب العربی	احمد حسن الزیات	دارالنہضۃ، مصر قاہرہ	طبع پانزدہم
۱۱	تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی	حافظ جلال الدین سیوطیؒ	المکتبۃ العلمیہ مدینہ منورہ	۱۳۷۹ھ - ۱۹۵۹ء
۱۲	تدوینِ حدیث	مولانا سیّد مناظر احسن گیلانیؒ	مجلس علمی کراچی	۱۹۵٦ء
۱۳	تذکرۃ الحفاظ	حافظ شمس الدین ذہبیؒ	دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن	۱۳۳۳ھ
۱۴	التلخیص الحبیر	حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ	شرکۃ الطباعۃ الفنیۃ المتحدہ قاہرہ	۱۹۲۴ء

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	ناشر	سنہ طباعت
۱۵	التقریب والتیسیر	امام یحییٰ بن شرف النووی (المتوفی ۶۷۶ھ)	اپنی شرح "تدریب الروای کے ساتھ مدینہ طیبہ سے شائع ہوئی	۱۳۷۹ھ
۱۶	التنبیہ والاشراف	علامہ علی المسعودی (المتوفی ۳۴۶ھ، ترجمہ اُردو مولانا عبداللہ حمادی)	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	۱۹۶۷ء
۱۷	تہذیب التہذیب	حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ	دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن	۱۳۲۶ھ
۱۸	جامع بیان العلم وفضلہ	حافظ ابنِ عبدالبر الاندلسیؒ (المتوفی ۴۶۴ھ)	ادارۃ الطباعۃ المنیر ۃ، مصر	
۱۹	جامع الترمذی	امام محمد بن عیسیٰ الترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ)	قرآن محل کراچی	
۲۰	حاشیہ سنن ابی داؤد	مولانا محمد حیات صاحب	اصح المطابع کراچی	
۲۱	حاشیہ جامع ترمذی	حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ	قرآن محل کراچی	
۲۲	حاشیہ صحیح بخاری	حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ	اصح المطابع کراچی	
۲۳	حاشیہ نزہۃ النظر (شرح نخبۃ الفکر)	مولانا محمد عبداللہ صاحب ٹونکی	مطبع مجیدی کانپور (ہند)	
۲۴	خطوطِ مبارک		دارالاشاعت کراچی	
۲۵	خطباتِ مدراس	علامہ سیّد سلیمان ندوی صاحبؒ	مکتبۃ الشرق کراچی	نومبر ۱۹۵۴ء
۲۶	ماہنامہ دارالعلوم دیوبند			جنوری ۱۹۶۶ء
۲۷	الرسالۃ المستطرفۃ	الشیخ محمد بن جعفر الکتانیؒ	اصح المطابع کراچی	۱۹۶۰ء
۲۸	رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی	ڈاکٹر حمیداللہ صاحب	دارالاشاعت کراچی	
۲۹	زاد المعاد فی ہدی خیر العباد	امام ابنِ قیم الجوزیؒ	المطبعۃ المصریہ مصر	
۳۰	سننِ ابی داؤد	امام ابوداؤد السجستانیؒ (المتوفی ۲۷۵ھ)	اصح المطابع کراچی	۱۳۶۹ھ
۳۱	سنن الدارقطنی	امام علی الدارقطنی (المتوفی ۳۸۵ھ)	مدینہ منورہ	۱۳۸۶ھ
۳۲	سنن الدارمی	امام عبداللہ الدارمی (المتوفی ۲۵۵ھ)	دار المحاسن للطباعۃ قاہرہ	۱۳۸۶ھ

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	ناشر	سنہ طباعت
۳۳	سنن النسائی	امام احمد بن شعیب النسائی (المتوفی ۳۰۳ھ)	مکتبہ رحیمیہ دہلی	۱۳۵۰ھ
۳۴	السیرۃ النبویۃ	علامہ عبدالملک بن ہشام (المتوفی ۲۱۸ھ)	مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر	۱۳۷۵ھ
۳۵	سیرۃ المصطفیٰ	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ	انشاء پریس لاہور	۱۳۷۵ھ
۳۶	سیاسی وثیقہ جات (ترجمہ الوثائق السیاسیۃ)	ڈاکٹر حمید اللہ صاحب	مجلس ترقیٔ ادب لاہور	
۳۷	السنۃ قبل التدوین	محمد عجاج الخطیب	دارالفکر دمشق	۱۳۹۱ھ
۳۸	شرح مسلم	امام یحییٰ بن شرف النووی	اصح المطابع کراچی	۱۳۷۵ھ
۳۹	شرح المعلقات السبع	علامہ حسین بن احمد الزوزنیؒ	مطبعۃ البیان بمبئی	۱۳۱۴ھ
۴۰	شرح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر	حافظ ابنِ حجر عسقلانی	مطبع مجیدی کانپور	
۴۱	صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل البخاری (المتوفی ۲۵۶ھ)	اصح المطابع کراچی	۱۳۸۱ھ
۴۲	صحیح مسلم	امام مسلم بن الحجاج القشیریؒ (المتوفی ۲۶۱ھ)	اصح المطابع کراچی	۱۳۷۵ھ
۴۳	صبح الاعشیٰ	علامہ احمد بن علی القلقشندیؒ (المتوفی ۸۲۱ھ)	المطبعۃ المصریہ، مصر	۱۹۱۸ء
۴۴	طبقاتِ ابنِ سعد	امام محمد بن سعدؒ (المتوفی ۲۳۰ھ)	دار صادر، بیروت	۱۹۵۷ء
۴۵	العلل	امام ترمذیؒ	قرآن محل کراچی	
۴۶	العقد الفرید	علامہ ابنِ عبد ربہ الاندلسی	المطبعۃ الازہریہ، مصر	۱۹۲۸ء
۴۷	فتح الباری	حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ)	دارالمعرفۃ بیروت	۱۳۰۱ھ
۴۸	الفتح الربانی (لترتیب مسند احمد)	احمد بن عبدالرحمٰن الساعاتی	مطبعۃ الاخوان المسلمین مصر	
۴۹	فتح الملہم شرح صحیح مسلم	شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ	مطبوعہ ہند	
۵۰	فتح القدیر	شیخ کمال الدین ابن الہمام الحنفی (المتوفی ۶۸۱ھ)	المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر	۱۳۵۶ھ

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	ناشر	سنہ طباعت
۵۱	فتوح البلدان	احمد بن یحییٰ البلاذری (المتوفی ۲۷۹ھ) ترجمہ اُردو سید ابوالخیر مودودی	جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن	۱۹۳۲ء
۵۲	الفہرست	علامہ ابن ندیم	مطبعۃ الاستقامۃ بالقاہرۃ مصر	
۵۳	کتاب الاموال	امام ابوعبید القاسم بن سلام	قاہرہ	
۵۴	کنز العمال	شیخ علاء الدین علی المتقی الہندیؒ (المتوفی ۹۷۵ھ)	دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن	۱۳۱۲ھ
۵۵	المبسوط	شمس الائمہ محمد بن ابی سہل السرخسی	مکتبۃ الحاج محمد آفندی مصر	۱۳۳۱ھ
۵۶	المرقاۃ شرح مشکوٰۃ	حافظ مُلّا علی القاری	مکتبہ امدادیہ، ملتان	
۵۷	المستدرک	امام ابوعبداللہ الحاکم (المتوفی ۱۰۱۴ھ)	دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن	۱۳۴۰ھ
۵۸	مسند احمد	امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ)	المکتب الاسلامی دار صادر بیروت	۱۹۶۹ء
۵۹	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزیؒ	اصح المطابع کراچی	۱۳۶۸ھ
۶۰	مصنف عبدالرزاق	امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	مجلس علمی کراچی	
۶۱	مقامِ صحابہؓ	مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ	ادارۃ المعارف کراچی	
۶۲	مقدمہ صحیفۂ ہمام بن مُنَبہ	ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب	اسلامک پبلی کیشنز سوسائٹی حیدرآباد دکن	۱۹۵۶ء
۶۳	مقدمہ فتح الملہم شرح مسلم	شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ	مطبوعہ بجنور (ہند)	
۶۴	المحدث الفاصل	القاضی الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزیؒ (متوفی ۳۶۰ھ)	دار الفکر دمشق	
۶۵	المؤطا	امام مالک بن انسؒ (متوفی ۱۷۹ھ)	دار الاشاعت کراچی	
۶۶	نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر	حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ	مطبع مجیدی کانپور	
۶۷	الوثائق السیاسیۃ	ڈاکٹر محمد حمیداللہ	لجنۃ التألیف، قاہرہ	۱۹۴۱ء
۶۸	الوسیط	احمد الاسکندری و مصطفیٰ العنانی	دار المعارف مصر	طبع سادس عشر
۶۹	الیواقیت العصریۃ	السید محمد بن محمد	مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر	۱۳۴۹ھ